موجِ نور
درشن سنگھ

موجِ نور

موجِ نور

درشن سنگھ

سنہ طباعت ۱۹۹۶ء

کتابت شفیق الرحمان

طباعت کونارک پریس ۲۰۱/۵ للیتاپارک لکشمی نگر دلی ۹۲

منجانب ساون کرپال روحانی مشن، دلی ۱۱۰۰۰۹

ملنے کا پتہ

ساون کرپال پبلی کیشنز اسپریچول سوسائٹی

سنت کرپال سنگھ مارگ وجے نگر دہلی ۱۱۰۰۰۹

Published by:

Sawan Kirpal Publications Spiritual Society, Sant Kirpal Singh Marg, Vijay Nagar, Delhi-110009.

संत दर्शन सिंह जी महाराज
(1921 - 1989)

مصنف : درشن سنگھ

پیدائش : ۱۴ر ستمبر ۱۹۲۱ء

وطن : سید کسراں، ضلع راولپنڈی، پنجاب (پاکستان)

تعلیم : بی۔اے آنرز، پنجاب یونیورسٹی (گورنمنٹ کالج لاہور)

شغل : ڈپٹی سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا (ریٹائرڈ)

مشورۂ سخن : ۱۔ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم

۲۔ حضرت شمیم کرہانی

ترتیب

فردوس نظر

روحانی مراکز

نوائے آزادی

شعروسخن کے رازداں

تیوہار اور تقریبات

عید

سالِ نو

گلہائے عقیدت (قطعات)

احباب باصفا

ہندی، پنجابی، فارسی کلام

تہنیتیں اور دعائیں

پیش لفظ

ایسے ابدی سوالات جیسے ہم کہاں سے آئے ہیں اور موت کے بعد کہاں جائیں گے ہمیشہ روحانیات اور تصوف کی فکر و تلاش کا محور رہے ہیں۔ تصوف علامت ہے اس روحانی وجدان کی جس کا نقطۂ عروج عالمگیر محبت، وجد آور آنند اور ابدی امن و سکون ہے۔ سنت اور صوفی اُس روحانی مسرت کے نغمے گاتے رہے ہیں جو عرفانی تجربوں سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانیت کو ہمیشہ قلبی سکون اور روحانی بیداری حاصل کرنے کی تمنا رہی ہے۔ آج ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں تو یہ پیاس اور زیادہ شدید ہو گئی ہے اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ روحانیت اور زندگی کی اعلیٰ قدروں سے دلچسپی از سرِ نو جاگ اٹھی ہے۔ یہ ہمارے سنت اور صوفی ہی تھے۔ جنھوں نے ہمیں اس راستے کا نقشہ عطا کیا جس پر چل کر ہم آفاقی آتما کی اِس سدا بہار عظمت کا تجربہ کر سکیں۔

سنت درشن سنگھ جی مہاراج ایسے ہی سنت تھے۔ جو قطب ستارے کی طرح نورِ حقیقت کی جستجو کرنے والوں کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے ۱۹۸۹ء میں جسمانی طور پر یہ دنیا تیاگ دی لیکن محبت کی جو وراثت وہ چھوڑ گئے ہیں اس کی بدولت ان کا نوری راستہ آج بھی چمک رہا ہے۔ اس وراثت روحانی میں ان کی وہبی شاعری اہم ہے۔ سنت درشن سنگھ جی کی تحریریں۔ وہ نثر ہو، نثرِ منظوم ہو یا شاعری۔ روے زمین پر بسنے والے ہر انسان کے لیے روحانی خیابانوں کے ایسے راستے کھول دیتی ہیں۔ جنھیں وہ خود محسوس کر سکتا ہے۔ انھوں نے اپنے الہام و وجدان کی باتیں ہی نہیں کی ہیں بلکہ وہ طریقے بھی بتائے ہیں جن کو اختیار کر کے یہ گیان حاصل کیا جا سکتا

ہے۔ باطنی روشنی اور حرف وصوت کا دھیان کر کے ہر انسان روحانی ارتفاع اور بلند تر محسوسات کا گیان حاصل کر سکتا ہے۔

سنت درشن سنگھ جی مہاراج نے کہا ہے کہ ان کی شاعری الہام کی دین ہے۔ انھوں نے جو کچھ لکھا اور کہا وہ شاعرانہ بلند پروازی نہیں تھی بلکہ ان تجربات اور محسوسات عالیہ کا بیان ہے۔ جو انھیں دھیان اور مراقبے میں حاصل ہوئے۔ سنت درشن جی ایسے سنت اور صوفی تھے جنھیں دائمی قربِ ربّی کا تجربہ تھا اور انھوں نے انسانیت کو اس طریقے کی تعلیم دینے کے لیے جس سے خود آگہی اور خدا شناسی حاصل ہو اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔ روحانی ترقی حاصل کرنے کے ساتھ ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ بلند ترین شائستہ اقدار کو اپنائیں۔ ان قدروں میں انسانی برادری سے محبت بے لوث خدمت خلق، اہنسا، حق گوئی اور انکسار شامل ہیں۔ انھوں نے مثبت روحانیات (POSITIVE MYSTICISM) کی تعلیم دی اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم پر خاندان، برادری، سماج اور دنیا کے جو فرائض عاید ہوتے ہیں۔ اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ انھیں ہم اپنی صلاحیت کے مطابق ادا کرتے رہیں۔ ہمیں دنیا ہی میں رہنا ہے اس لیے سماج کی بہبود کی خاطر ہر ممکن خدمت انجام دیتے رہنا چاہیے۔ وہ افراد کے دلوں میں یہ جذبہ جگا رہے تھے کہ وہ زندگی کے جس شعبے میں بھی ہوں وہاں محبت کی روشنی پھیلاتے رہیں۔ ایک انسان کے دل میں بھی محبت کی شمع روشن کر کے ہر انسان اس روشنی کی تابانی دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ انھوں نے خود فرمایا ہے کہ "اگر ہر چراغ دس اور چراغ جلا سکے تو وہ دن دور نہیں جب ساری دنیا اس روشنی سے جگمگا اٹھے گی۔"

آج بھی ان آفاقی روحانی کانفرنسوں اور بین مذاہب مذاکروں کے ذریعے جو عالمی سطح پر منعقد ہوتے رہتے ہیں، شرکت کرنے والے لاکھوں افراد تک ان کا روحانی پیغام مسلسل پہنچ رہا ہے۔ وہ اپنے مرشد بابا ساون سنگھ جی مہاراج اور سنت کرپال سنگھ جی مہاراج کے احسانات کا ہمیشہ تہِ دل سے اقرار کرتے رہے۔ اور اپنی تمام روحانی بلکہ شاعرانہ ترقیوں کو بھی انھیں کا فیض سمجھتے رہے۔ ان کی دلی خواہش یہی تھی کہ ان مرشدوں سے جو طریقے حاصل ہوئے تھے اس میں

ساری انسانیت کو شریک کرلیں۔ ان میں یہ جذبہ ہمدردی بیحد قوی تھا کہ وہ لوگوں کو ایسا طریقہ بتا سکیں جس سے ان کی زندگیوں میں دکھ درد کے جو تجربات و محسوسات ہیں ان کی تلخی دور ہو اور وہ اس ابدی خوشی کا مزا چکھ سکیں۔ جو خود ان کے وجود کے اندر ان کا انتظار کررہی ہے۔

آج وسائل اطلاعات عامہ نے دھیان اور مراقبے کے روحانی پیغام سے دلچسپی لینا شروع کردیا ہے۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو پروگرام، جرائد و رسائل، کتابیں اور دوسرے لٹریچر اور برقی ذرائع ابلاغ یا چھاپے خانے اور کمپیوٹر ٹکنالوجی کے ذریعے سے درشن جہاراج کا دھیان اور مراقبے کا اعلیٰ ترین پیغام چاروں طرف پھیلا رہے ہیں تاکہ ہم روح اعلیٰ کے لیے اور انسانی برادری کے لیے ربانی محبت حاصل کرسکیں۔

اس کے پہلے سنت درشن سنگھ جی کے چار مجموعے "منزل نور"، "تلاش نور"، "متاعِ نور" اور "جادۂ نور" شائع ہوچکے ہیں۔ یہ سب کے سب روحانی روشنی میں زندگی بسر کرنے کے مختلف پہلوؤں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان کو کئی اکادمیوں کے انعام بھی مل چکے ہیں۔ اب اردو میں ان کا نیا مجموعہ "موجِ نور" آپ کے سامنے ہے۔ اس میں جو کلام شامل ہے، وہ انسانی تعلقات کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ بہت سی نظمیں لوگوں کی استدعا پر فی البدیہہ کہی گئی ہیں، یا تو دنیا میں ہونے والے واقعات کے بارے میں ان کے تاثرات جاننے کی استدعا تھی یا خاص مواقع مثلاً شادی، عزیز ہستیوں کی جدائی، افتتاحی و وداعی تقریبات یا گرو ہی اور ملکی تیوہاروں پر ان کی دعا، کلمات خیر اور آشرواد حاصل کرنے کی تمنا۔ یہ موضوعات متنوع نوعیت کے ہیں لیکن شاعر نے ایسے کلام میں بھی اپنے روحانی اور اخلاقی پیغام کی لہر دوڑادی ہے اور مختلف رنگوں، مذہبوں، قومیتوں اور زندگی کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والوں کو اپنی بے پایاں محبت میں شریک کرلیا ہے۔

میری دعا ہے کہ یہ مجموعہ مسرت اور عالی حوصلگی کا وسیلہ بنے اور اس کا مطالعہ کرنے والے ربانی محبت اور کائناتی اتحاد و امن کے درخشاں تجربات سے ہمیشہ لذت یاب ہوتے رہیں۔

شاعر نے ایک شعر میں خود کہا ہے :

گو ہر اک ہاتھ میں پیمانہ جُداگانہ ہے
ساری دنیا تو مگر ایک ہی میخانہ ہے

ہمارے پیمانوں کا سائز اور ان کی شکلیں الگ الگ ہو سکتی ہیں لیکن ہمیں ربانی ساقی کے میخانے سے جو آب حیات ملتا ہے وہ تو ایک ہی ہے۔ آؤ دوستی اور اتحاد کے نام پر پیمانہ اٹھائیں اور یہ آب حیات پئیں تاکہ اس دنیا کا میخانہ ایسا بن جائے جہاں سب کو دوامی امن اور خوش حالی نصیب ہو۔ سنت درشن سنگھ جی کے اشعار ایک پر جوش اور وجد آفریں سرشاری کے عالم میں پہنچا دیتے ہیں جہاں ہم مالک حقیقی اور تمام زندگی کے مابین اتحاد و قربت کو پہچان لیتے ہیں۔

۱۴ ستمبر ۱۹۹۵ء راجیندر سنگھ

سنت مفکر اور شاعر

(مختصر سوانح)

روحانی روشنی ملک اور مقام کی پابند نہیں، وہ پوری کائنات کو منوّر کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ روحانیت کی دنیا میں ایسی ہی ایک تابانی نے آج سے تقریباً تین چوتھائی صدی پہلے ضلع راولپنڈی کے چھوٹے سے قصبے کوٹ دھمیلا میں ظہور کیا تھا۔ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو سنت کرپال سنگھ جی مہاراج کے گھر میں اور کرشنا وتی جی کی آغوش میں سنت درشن سنگھ کی عالم پسند شکل میں ایک نور ساطع ہوا ہے۔ اُس وقت یہ ضلع ہندوستان میں تھا اور تقسیم ملک کے بعد پاکستان کی سرحدوں میں چلا گیا۔ لیکن اس نومولود کی عظمت اور روحانیت ضلعوں اور ملکوں سے کہاں ناپی جا سکتی ہے۔ آج درشن سنگھ جی کا نام ان کے پیغام ہی کی طرح ساری دنیا میں دلوں کو موہ لینے والے اور تاریکیوں کو روشنی کی سوغات دینے والے ناموں میں شمار کیا جاتا ہے۔

درشن نے پہلے پہل جس روحانی چہرے کے درشن کیے وہ خود ان کے والدِ بزرگ سنت کرپال سنگھ جی مہاراج تھے۔ یہ اپنی زندگی کے ابتدائی دنوں سے ہی تلاشِ حق، اور ریاضتِ روحانی سے خاص علاقہ رکھتے تھے۔ اکثر خوابوں میں ان کے ہونے والے مرشد پرم سنت حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج کا دیدار کرنے اور اس روحانی فیض کی لذت محسوس کرنے لگے تھے۔ اس وقت تک اپنے مرشد کے بارے میں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہستی ہیں اور ان کا قیام کہاں ہے۔ یہ سلسلہ درشن کی ولادت سے چار سال

پہلے ہی شروع ہوچکا تھا۔

اس پاکیزہ مرشد کی زیارت اور ان سے نامدان حاصل کرنے کی سعادت اس وقت نصیب ہوئی جب درشن تین سال کے ہو چکے تھے۔ اُس وقت سے سنت کرپال سنگھ جی برابر مرشد کے تصور اور روحانی ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔ اس روحانی فضا کا اثر درشن پر بھی لازمی طور سے پڑا۔ آنکھیں کھولتے ہی وہ اپنے ماتا، پتا کو مراقبہ میں بیٹھے پاتے اور ان کی دیکھا دیکھی خود بھی ان کے قریب آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتے۔ اس طرح کم سنی ہی میں انھیں روحانی زندگی کی وراثت مل گئی۔

ابھی پانچ برس کا سن رہا ہوگا کہ درشن سنگھ جی اپنے والد محترم کے ساتھ حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج کی زیارت کے لیے ڈیرہ بیاس ضلع امرتسر کے لیے روانہ ہوگیے۔ اور ماتا پتا کے شغف کو دیکھ کر ان کے دل میں بھی نامدان پانے کا ارمان پیدا ہوا۔ اور مرشد اعظم کی مقدس ذات سے گہری عقیدت ہوگئی جب شرف حضوری حاصل ہوا تو بابا ساون سنگھ جی مہاراج سے نام دینے کی فرمائش کر دی۔ مرشد نے پیار کیا اور فرمایا کہ "ٹھہر! ابھی تجھے میٹھا میٹھا نام دیتے ہیں" یہ کہہ کر اُن کے ہاتھوں میں مٹھائی دے دی۔ لیکن بالک درشن مچل گئے اور کہا "مجھے یہ نہیں وہ نام دیجیے جو باؤ جو (پتا جی) کو دیا ہے"۔ پرم سنت نے شام کے وقت آنے کا حکم دیا۔ جب یہ شام کو وہاں پہنچے تو ارشاد ہوا "آنکھیں بند کر کے بیٹھ جا اور اندھیرے میں دیکھ"۔ بالک درشن نے دیکھ کر کہا "اندر روشنی ہے"۔ ارشاد ہوا غور سے دیکھو۔ "کہا اندر آسمان ہے" اور غور سے دیکھنے کے حکم کے بعد کہا "آسمان پر تارے نظر آتے ہیں"۔ حضور نے کہا بس تمھارے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ درشن جی دوڑ کے باپ کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھے تاروں تک کا نام ملا ہے۔ اس واقعے کے آٹھ برس بعد باقاعدہ گورو منتر ملا۔ سنت مت کی راہِ سلوک کے تمام ابتدائی مراحل طے ہو گئے۔ اس خوش بختانہ تجربے کو بعد میں درشن جی نے

یوں نظم کا جامہ پہنایا :

خاک سے تا بہ کہکشاں ہم نے تو جب کیا سفر عشق ملا قدم قدم حُسن ملا نظر نظر

روحانیت کی ابتدائی تعلیم نے سنت جی کی زندگی کو خیال کی پاکیزگی، ذہن کی رسائی درویش صفتی اور انکسار نفس کے سانچے میں ڈھال لیا اور بچپن میں جس انتا د طبع کا آغاز ہوا تھا اس کو نئی اور دوامی جلا ملی۔ اس طرح خود شناسی سے خدا شناسی تک کا سفر بڑی سرعت سے طے کر لیا گیا اگر ہم غور کریں تو ان کی تصانیف کے عنوانات "جادۂ نور" "تلاشِ نور"، "منزلِ نور"، "متاعِ نور" اور اب "موجِ نور" ان کی شعری اور روحانی زندگی کے اسی سفر کی مختلف منزلوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ دنیاوی علوم میں انھوں نے رسمی تعلیم کمسنی ہی میں شروع کی تھی ان کے ایک سوانح نگار ہری چند چڈھا نے اس دور میں اردو کی تختی لکھنے کا بھی ذکر کیا ہے۔

درشن سنگھ جی کا شمار ہمیشہ ذہین طالب علموں میں ہوا۔ حصولِ علم کا جذبہ انھیں وراثت میں ملا تھا۔ اسکول اور کالج میں ہمیشہ اوّل آتے۔ اگر کبھی دوسرے نمبر پر بھی آتے تو ان کے اور دوسرے طالب علموں کے نمبروں میں بہت کم فرق رہا۔ میٹریکولیشن انھوں نے بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا اور اسی بنا پر یہ خواہش ہوئی کہ ڈاکٹر یا انجینئر بنیں۔ لیکن والدِ محترم کا ہر کام رضائے مرشد کا تابع تھا چنانچہ انھوں نے اس کا فیصلہ حضرت بابا ساون سنگھ مہاراج پر چھوڑا۔ درشن سنگھ جی اپنے والد کے ہمراہ بابا ساون سنگھ جی مہاراج کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرشد کو اچھے نمبروں سے پاس ہونے کی خوشخبری سنائی۔ مہاراج نے شاباشی دیتے ہوئے پیار سے پیٹھ تھپتھپائی۔ سنت کرپال سنگھ جی نے مرشد سے نیازمندانہ استفسار کیا کہ "اب آگے ان کو کیا مضامین لینے چاہییں۔ انھوں نے فرمایا کہ "کاکا (بیٹا) فارسی بڑی میٹھی زبان ہے اور تصوف کی بیشتر تعلیمات اسی زبان میں ہیں۔ اس لیے فارسی زبان و ادب کا مطالعہ بہت

ضروری ہے،، اور سنت کرپال سنگھ جی نے "ست بچن،، (درست فرمایا) کہتے ہوئے سرتسلیم خم کر دیا۔ انگریزی اور حساب لازمی مضامین تھے۔ اختیاری مضامین میں ایک تو فارسی ہوئی دوسرا مضمون مہاراج نے تاریخ کا تجویز کیا۔ وہ درشن جی جو ایک ڈاکٹر یا انجینیر بننے کا خواب دیکھ رہے تھے آرٹس کے طالب علم بن گئے۔ اور ان کے افکار و خیالات تصوف کے ساتھ ساتھ ادب و تاریخ سے بھی وابستہ ہو گئے۔

جب پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں بی۔ اے کی تعلیم حاصل کر رہے تھے تو وہاں اردو و فارسی کے مشہور ادیب و شاعر، پروفیسر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم اور انگریزی کے پروفیسر ایرک ڈکنس جیسے مشہور اساتذہ سے ان کا سابقہ ہوا۔ ہمارے درشن جی ان دونوں ہی کے ہمیشہ منظورِ نظر طالب علم رہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صاحب کی صحبت میں درسی مشغولیتوں کے علاوہ شعر و ادب سے بھی دلچسپی پیدا ہوئی۔ زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا تھا کہ انھوں نے اتنی مشق بہم پہنچائی کہ ان کی غزلیں اخبارات و رسایل میں شایع ہونے لگیں۔

تصوف اور شاعری کے مابین ایک غیر مرئی رشتہ ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر صوفی شاعر، یا ہر شاعر صوفی ہو لیکن اچھے شعرا کے یہاں روحانی اور متصوفانہ احساسات کی جھلک اور مشہور صوفیائے کرام کی طبیعت میں شاعری کے لیے کشش و جذب عام طور سے پائے جاتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ تصوف کے نکات و اشارات روحِ شاعری سے جو جلا پاتے ہیں وہ تخلیق شعر کو ایک ارتکاز عطا کر دیتی ہے۔ اسی کو غالبؔ اپنے خاص رنگ میں یوں کہتے ہیں :

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر

یا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

ان کی مے نوشی کے افسانے مشہور ہیں لیکن وہ باضابطہ ولی نہ ہو پائے پھر بھی ان کے اشعار میں جہاں تصوّف کے تصورات آجاتے ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔

شاعری :

سنت درشن سنگھ جی کے ماحول میں روحانیت کے ساتھ ساتھ شاعرانہ کیفیات بھی پائی جاتی تھیں۔ خود سنت کرپال سنگھ جی مہاراج شاعر تھے اور مرشد اعظم نے تو فارسی کی متصوفانہ شاعری کی طرف خاص طور سے توجہ مبذول کرائی تھی۔ اس عام رجحان کے علاوہ ماحول بھی ایسا ملا تھا کہ سنت درشن سنگھ جی شاعری کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو تعجب کی بات ہوتی۔ چنانچہ وہ تعلیم کے ابتدائی مراحل میں تھے کہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسّم کی صحبت اور حوصلہ افزائی نے اس طرف خصوصیت سے مائل کیا۔ درشن جی نے شعروادب کے علاوہ ان سے فنِ عروض بھی سیکھا۔ اس کے علاوہ اپنے کالج کے انگریزی پروفیسر ایرک ڈکنس سے انھوں نے انگریزی شاعری کی عروض بھی سیکھی اور ان کی توجہ سے انگریزی میں بھی نظمیں کہنے لگے۔ یہ ان کے ذہن کی درّاکی اور فطری صلاحیت شعری کی ابتدائی مثالیں ہیں۔

حکومت ہند میں :

۱۹۴۱ء میں بی۔ اے آنرز امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور حکومت ہند کے محکمۂ سپلائی اینڈ ڈسپوزل دلّی میں کلرک کی حیثیت سے بھرتی ہوئے لیکن بہت جلد اپنی محنت اور قابلیت کی بدولت (۱۹۴۳ء) میں افسر بنا دیے گئے۔ آخر ڈپٹی سکریٹری ہو کر وظیفہ یاب ہوئے۔

درشن سنگھ جی جب ملازمت کے سلسلے میں دلّی آئے تو انھیں اردو کے نامور شاعر حضرت شمیم کرہانی سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا اور ان سے خصوصی رموزِ فن سیکھے۔ وہ شمیم کرہانی

کے "حلقۂ ارباب ذوق" میں بھی شامل ہوئے اور اس کے ایک فعال رکن بن گئے اس دوران میں وہ مشاعروں، مقاصدوں اور میلادوں میں حصہ لینے لگے اور ہر جگہ داد تحسین حاصل کی۔

۱۹۴۵ء کے قریب ڈپارٹمنٹ کی طرف سے انھیں سپلائی کے ٹھیکوں کو الاٹ کرنے کی ذمہ داری نبھانے کے لیے بمبئی جانا پڑا اس عہدے پر رہ کر اگر وہ چاہتے تو لاکھوں میں کھیلتے۔ لیکن انھوں نے حرام کی کمائی کے تصور کو بھی حرام سمجھا۔ بلکہ بمبئی کے قیام کے دوران انھوں نے کسی کے ہاتھ کا پانی لینا بھی گوارا نہ کیا اور پوری روداد والد محترم کو لکھ بھیجی۔ اس واقعے کو پڑھ کر ان کے والد بہت خوش ہوئے اور اس کا اظہار انھوں نے جا بجا اپنی تقریروں میں کیا ہے۔

شادی اور اولاد:

۱۹۴۳ء میں درشن جی کی شادی سردار جسونت سنگھ سوہنی کی بیٹی ہربھجن کور جی سے ہوئی۔ ہربھجن کور جی کی ابتدائی تعلیم کراچی میں ہوئی۔ لیکن بعد میں انھوں نے انگریزی فرینچ، جرمن ہسپانوی اور دوسری زبانوں کو سیکھا اب سنت درشن سنگھ جی مہاراج کے ماننے والے دنیا بھر کے عقیدت مند "ماتا ہربھجن کور" کے نام سے انھیں یاد کرتے ہیں۔ ہربھجن کور جی نے بھارتیہ شاستری سنگیت کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنی دل نشیں آواز میں درشن سنگھ جی کی عرفانی شاعری اور بھجن بھی کبھی کبھی پیش کرتی رہی ہیں۔ انھیں مغربی سنگیت سے بھی لگاؤ ہے اور درشن سنگھ جی کی ترجمہ شدہ غزلوں کو اہل مغرب کے سامنے پیش کر کے وہاں بھی خراج تحسین حاصل کی ہے۔

سنگیت ہی نہیں انھوں نے ہر طرح سے اس روحانی مشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جس کا سنت درشن سنگھ جی نے اپنے شعری مجموعہ "تلاش نور" میں نظم "بن باس"

میں کیا ہے اور "متاعِ نور" کے "انتساب" میں صاف لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔

درشن سنگھ جی کے یہاں ۱۹۴۶ء میں پہلی اولاد پیدا ہوئی۔ مرشد بابا ساون سنگھ جی مہاراج نے نومولود بچے کا نام راجیندر سنگھ رکھا۔ جو ہماری خوش قسمتی سے آج سنت راجندر سنگھ جی کے نام سے سارے عالم میں روحانیت کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔

۱۹۶۰ء میں دوسرے بیٹے من موہن سنگھ کا جنم ہوا۔

درشن سنگھ جی کی مرشدِ اعظم کے خلوص و عقیدت کی کہانی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ درشن جی کی زندگی کے اس اہم واقعے نے ان کو دمہ کا مستقل مریض بنادیا ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوا لیکن اسی کے ساتھ قتل و غارت گری کا بازار بھی گرم ہوگیا اور جان و مال کا بڑے پیمانے پر اتلاف ہوا۔ روحانیت سے تعلق رکھنے والوں کو ان جگر گداز واقعوں سے قلبی صدمہ ہونا لازم تھا۔ اِن روح فرسا واقعات نے مرشدِ پاک بابا ساون سنگھ جی کی صحت پر بھی اثر ڈالا اور وہ بیمار رہنے لگے۔ درشن سنگھ جی مرشد کی بیماری کی خبر سُن کر دسمبر کے کڑاکے کی سردی میں ان کی زیارت کے لیے دلّی سے امرتسر کے لیے چل پڑے۔ جاتے وقت کسی طرح جگہ مل گئی لیکن واپسی پر ٹرین میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے درشن جی کو ٹرین کی چھت پر بیٹھ کر سفر کرنا پڑا۔ وہاں ایک کمزور بوڑھے کو سردی میں کانپتے دیکھ کر انھوں نے اپنا بھاری اوورکوٹ اس پر ڈال دیا اور خود ٹھنڈک میں سکڑتے ہوتے جاگتے رہے اور یوں ہی ساری رات گزار دی اور دمے کے عارضے کو عمر بھر کا ساتھی بنالیا۔

۲ر اپریل ۱۹۴۸ء کو حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج کے وصال کے بعد درشن جی کے والد محترم سنت کرپال سنگھ جی اپنے گورو کی نگری کو سلام کر کے دلّی چلے آئے

اور کچھ دن درشن جی کے ساتھ رہنے کے بعد رشی کیش چلے گئے۔

رشی کیش سے واپسی کے بعد ۱۹۴۸ء ہی میں اپنے مرشد کے حکم کے مطابق "سنت سنگ سوسائٹی" کے نام سے ایک مشترکہ پلیٹ فارم قائم کیا تاکہ یہاں ہر طبقے، سماج، مذہب کے لوگ ایک جگہ بیٹھ کر اپنے مذہب اور معاشرت کا پالن کرتے ہوئے کسی روحانی رہنما کے چرنوں میں بیٹھ کر روحانیت کا عملی سبق لے سکیں اس سلسلے میں انھوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں کا دورہ کیا اور مثبت روحانیت کا پیغام پہنچایا۔

سنت کرپال سنگھ جی مہاراج نے ۱۹۵۱ء میں گڑ منڈی، دلی میں ریلوے لائن سے متصل "ساون آشرم" تعمیر کیا جہاں "سنت سنگ" اور "نامدان" کا سلسلہ بڑی تیزی سے پھیلنا شروع ہوا۔ مختلف کانفرنسیں منعقد ہوئیں اور اپنی تقریروں کے ذریعے سنتوں اور صوفیوں نے امن و آشتی کا پیغام دیا۔

۱۹۷۱ء سے سنت کرپال سنگھ جی کی بے لطفی مزاج کی وجہ سے درشن سنگھ جی روحانی مشن سے متعلق کام میں ہمہ تن مصروف رہنے لگے۔

۲۱ راگست ۱۹۷۴ء کو سنت کرپال سنگھ جی مہاراج نے کہا کہ "درشن طبقات روحانی میں میرا ہم پرواز ہے اور میری سنگت کو وہی پیار دے گا جو انھیں مجھ سے ملتا تھا۔" یہ کہہ کر منصب ہدایت یعنی سنت سنگ اور نامدان کے فیض روحانی کی ذمہ داری درشن سنگھ جی کو سونپی۔

۲۱ راگست ۱۹۷۴ء میں سنت کرپال سنگھ جی مہاراج کے وصال کے بعد، اُن کے جانشین سنت درشن سنگھ جی مہاراج نے ان کے روحانی مشن کو اور تیزی سے آگے بڑھانا شروع کیا۔ بہت جلد دنیا کے بیشتر ملکوں میں اس روحانی مشن کی شاخیں قائم ہوگئیں۔

آج سنت درشن سنگھ جی کے روحانی فیض سے لاکھوں لوگ مستفید ہو رہے ہیں اور ملکوں ملکوں لوگ انھیں رشی اور منی مانتے ہیں۔ ان کے ماننے والوں کے اِس وسیع حلقے میں مختلف مذہب و ملت سے وابستہ اور مختلف زبانیں جاننے والے لوگ ہیں جو انھیں ماورائی طاقت کا حامل سمجھتے ہیں۔ ان کا منتخب کلام ۵۲ زبانوں میں ترجمہ ہو کر شایع ہو چکا ہے۔ اپنے روحانی پیغام کو پہنچانے کے لیے ہندوستان کے مختلف شہروں کے علاوہ ممالک غیر کا بھی سفر کیا۔ آپ نے چار عالمی دورے کیے، جن کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں امن قایم ہو، تمام مذاہب کے ماننے والے مل جُل کر رہیں اور انسانی برادری میں اتحاد کی فضا استوار ہو اور لوگ ایک دوسرے کے دکھ، درد میں شریک ہوں۔ ان خیالات کا اظہار انھوں نے مختلف کانفرنسوں میں بارہا کیا ہے۔

۱۹۷۸ء میں انھوں نے پہلا عالمی دورہ کیا۔ اس دورے میں ان کا تیار شدہ پروگرام، تقریروں کے خاکے اور یادداشتوں کی ڈائری کہیں اِدھر اُدھر ہو گئی۔ اب سنت درشن سنگھ جی کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ یا تو سفر کو ملتوی کریں اور واپس گھر لوٹ جائیں یا پھر مرشد کے فیض روحانی اور اپنے قوی حافظے پر بھروسا کرتے ہوئے سفر جاری رکھیں۔ انھوں نے پروگرام کے مطابق سفر جاری رکھا اور سفر کامیاب رہا۔

اس دورے کے نتیجے میں دورِ جدید کے اہل علم و دانش کو تعقل کی گھُٹن سے نکال کر محبت اور جنوں عشقِ حقیقی کی کھلی شاہراہ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ انھوں نے گویا اپنے دورے سے نئے افق، نئی سمت اور نئی راہ کی نشاندہی کی اور ہر مسلک و مذہب کے ماننے والوں کو امن و آشتی کا پیغام دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۸ء میں اپنے عالمی دورے شروع کیے

تو اہل مغرب کے دلوں میں مشرق کے صوفیوں اور سنتوں سے رشتہ جوڑنے اور ان کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کرنے کا نیا ولولہ اور شوق پیدا ہوا۔

۱۹۸۳ء کے عالمی دورے کے اختتام پر ۹ر ستمبر ۱۹۸۳ء کو درشن سنگھ جی کو کولمبیا کے صدر ڈاکٹر کارلوس ہالگون نے کولمبیا کا سب سے بڑا اعزاز، کولمبیا کا تمغہ، پیش کیا اور ان کی امن عالم کی تحریک کو آگے بڑھانے والی کوششوں کا اعتراف کیا۔

۱۹۸۶ء کے تیسرے عالمی دورہ میں درشن سنگھ جی مہاراج ۱۱ر جولائی کو یو۔این او، کے سابق اسسٹنٹ سکریٹری جنرل رابرٹ ملر کی درخواست پر یو۔این۔او۔ ہیڈ کوارٹر گیے جہاں امن عالم کے موضوع پر رابرٹ ملر سے ایک گھنٹے تک بات ہوئی۔ بات چیت کے بعد ملر انھیں سیکورٹی کونسل لے گیے جہاں سنت جی نے کھڑے ہو کر امن عالم کے لیے دعائیں کیں۔

۱۹۸۶ء کا سال یو۔این۔او، کی طرف سے امن عالم کا سال مقرر کیا گیا تھا ڈاکٹر ملر نے سنت جی کو ایک گلاب کا پودا دکھایا جو امن عالم کے نام پر لگایا تھا اور ROSE OF PEACE کے نام سے مشہور تھا لیکن وہ پودا سوکھ گیا اور ماہرین کے رائے کے مطابق پھول لگنا مشکل تھا۔ ڈاکٹر ملر نے مہاراج سے کہا کہ کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ یہ پودا بار آور ہو جائے۔ سنت جی نے جواب دیا "جہاں انسانی کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں وہاں دعا کارگر ہو سکتی ہے،" انھوں نے گلاب کے اس پودے کے لیے دعا کی۔ چنانچہ ۱۹۸۸ء کے چوتھے عالمی دورے پر جب سنت جی نیویارک پہنچے تو ڈاکٹر ملر کی سکریٹری نے اس گلاب کے پودے کی فوٹو دکھائی کہ یہ وہی پودا ہے جو آپ کی دعا سے بار آور ہوا تھا اور پھول بھی لایا۔

سات دہائیوں پر پھیلی ہوئی درشن سنگھ جی مہاراج کی پاک وصاف زندگی ۳۰ مئی ۱۹۸۹ء کی صبح ہوتے ہی وصال کی منزل میں داخل ہوگئی۔ اور ان کی قائم ودائم زندگی ایک لازوال حقیقت بن گئی۔ ان کے سوانح نگار ہری چند چڈھا نے ان آخری لمحات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"بدائی کی رات کوئی کام نہیں ہوا پھر بھی حضور مہاراج نے اپنے تمام کارکنوں اور سیواداروں کا شکریہ ادا کیا۔۔۔ رات ڈھائی بجے امریکہ سے "ست سندیش" کے ایڈیٹر جے لنکس مین اور ان کی بیوی رکی لنکس مین کا ٹیلی فون آیا۔ مہاراج درشن سنگھ جی نے اپنے مضمون "میرا نظریہ شاعری" کے انگریزی ترجمہ کے آخری حصے میں تبدیلی اور اپنی آخری کتاب کے نام کے بارے میں انھیں بتایا تھا۔۔۔ جے لنکس مین مضمون میں تبدیلی کے بارے میں دریافت کیا تو مہاراج جی نے فرمایا کہ میں نے اس کے بارے میں تمہیں تحریری ہدایات روانہ کر دی ہیں۔ وہ ہدایات جے لنکس مین نے دلی آکر پڑھیں جن کے مطابق نظریہ شاعری کے بارے میں اپنے مضمون کے آخر میں جہاں حضور مہاراج نے لکھا تھا:

"جن آدرشوں کا پرچار آج تک کرتا رہا انھیں آگے بھی جاری رکھنے کا عہد ہے" اسے مہاراج نے یوں بدل دیا:

"زندگی کا سمندر اتھاہ ہے صرف زندگی اتنی مختصر ہے"

ان آخری ہدایات میں مہاراج نے بڑی شائستگی اور بردباری سے الوداع کہی اور ساتھ ہی آشیرواد دیتے ہوئے فرمایا کہ جوت کی دھارا آگے چل کر اور بڑھے گی انھوں نے خود کہا تھا:

گلہ کریں گے نہ اب میرے بعد کے رہرو　　کہ ان کو راہ محبت میں روشنی نہ ملی

سنت درشن سنگھ جی مہاراج کی شاعری کا محور صوفیانہ افکار و خیالات ہیں۔ انھوں نے صوفیانہ لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اپنی شاعری کو ان کے مطالعات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ درشن سنگھ جی کے شعری اکتسابات ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے انگریزی، فارسی، ہندی اور پنجابی میں بھی شاعری کی ہے لیکن ان کی فکر سخن کا اصل محور اُردو ہے۔ ان کا پورا کلام عرفانی شاعری کا آئینہ دار ہے۔ جہاں ان کا مجموعہ "متاع نور" متغزلانہ کلام پر مشتمل ہے وہیں "جادہ نور" عارفانہ کلام پر مشتمل ہے لیکن دونوں کے بنیادی عرفانی رشتے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سنت جی نے اپنے مضمون "میرا نظریہ شاعری" میں اپنے خیالات کو اس طرح پیش کیا ہے۔

> "میرا نظریہ شاعری صرف ذہن کی یا فکر و مطالعہ کی اُپج نہیں، وہ میری زندگی سے ہوئی ہے۔ اور وہ میری ذات و حیات تک محدود نہیں، بلکہ ہمارے چاروں طرف انسانی زندگی کا جو بحر بیکراں موجزن ہے، اس سے جڑا ہوا ہے۔"

ابتدا میں درشن جی روایتی انداز میں شعر کہتے تھے۔ تصوف خاص رنگ تھا۔ اس منزل کی طرف زمانہ طالب علمی میں درشن سنگھ جی کہاں پہنچ چکے تھے اس کی نشاندہی ان کی اس ابتدائی غزل میں ملتی ہے جو انھوں نے اپنے والد محترم کی فرمائش پر کہی تھی۔ درشن جی اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف۔ اے۔ کے طالب علم تھے اور کالج کے علاوہ لاہور کے ادبی حلقوں میں شناخت قائم کر چکے تھے۔ سنت کرپال سنگھ جی مہاراج نے ان کی غزلیں کالج کے مشہور ماہنامہ "راوی" میں پڑھیں اور ریڈیو کے ایک مشاعرے میں غزل پڑھتے ہوئے بھی سنا۔ ایک دن انھوں نے اس ابھرتے ہوئے سورج سے کہا کہ درشی تم شعر خوب کہہ لیتے ہو۔ مرشد کے جشن ولادت

کے موقع پر ایک غزل مہاراج کی شان میں بھی کہہ دو۔

درشن جی غزل کہی۔ مرشد نے سن کر دل کھول کر داد دی۔ چند شعر ملاحظہ کریں :

خدا کا نور مرشد میں بھلا معلوم ہوتا ہے — یہ آئینہ ہے وہ جس میں خدا معلوم ہوتا ہے

رخِ مرشد میں وہ نورِ صفا معلوم ہوتا ہے — کہ مرشد ہی بہ نفس خود خدا معلوم ہوتا ہے

ہر اک قطرہ دکھاتا ہے ضیائے مرشدِ کامل — ہر اک ذرہ مجھے مرشد نما معلوم ہوتا ہے

سمجھ لینا اسے محدود کوتاہی ہے بینش کی — ترا گیسو ہمیں لاانتہا معلوم ہوتا ہے

ان اشعار سے ان کے دل میں مرشد کی عقیدت ومحبت اور وحدت وجود کے منصوفانہ رنگ وآہنگ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں اپنے سیکولر خیالات کو جا بجا پیش کیا ان کے خیالات دیگر مذاہب کے بارے میں توجہ کے مستحق ہیں۔ درشن سنگھ جی دوسرے مذاہب کے رہبروں کا اس انداز سے ذکر کرتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسی مذہب کی فرد ہوں۔ وہ سبھی رہبران مذاہب میں خالقِ کل کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں انھوں نے گورونانک جی، مرشد بابا ساون سنگھ جی مہاراج، سنت کرپال سنگھ جی مہاراج وغیرہ پر خلوص وعقیدت سے بھرپور نظمیں کہی ہیں وہیں جناب مریمؑ، حضرت عیسیٰؑ، رسول اکرم صلعم، حضرت علیؓ امام حسینؑ اور صوفیوں میں حضرت امیر خسروؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ وغیرہ پر بھی حسن عقیدت سے نظمیں کہی ہیں اور کہیں بھی حفظ مراتب میں فرق نہیں آنے دیا ہے۔ "جادۂ نور" کے مقدمے میں جناب علی جواد زیدی نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا :

"درشن کے سامنے یہ بڑی نازک منزل تھی کہ تمام ادیان کے عظیم الشان پیغمبروں پر ایسی نپی تلی گفتگو ہو کہ سبھی اس پر وجد کریں۔ اس سے روحانی حظ حاصل کریں اور ان کے ذہنوں میں کمیت وکیفیت میں اختلاف کا احساس بھی نہ ابھرے۔ ہر مذہب والے کو اپنا مذہبی پیشوا پیارا

ہوتا ہے لیکن جب وہ درشن کی زبان سے اس کا ذکر سنیں گے تو انھیں
ایسا محسوس ہوگا کہ جذبات ان کے ہیں اور زبان و بیان درشن کے ہیں۔
اس دشوار گزار منزل سے درشن بڑی دیدہ وری اور خلوص سے کامیاب
گزرے ہیں۔"

اسی طرح جہاں رہبران مذاہب اور پیشوایان مسالک کے لیے خلوص و عقیدت سے بھرپور نظمیں کہی ہیں اسی طرح رہبران قوم، اساتذہ فن اور نیو ہارو نفر بیات پر ان کی نظمیں ان کے خلوص اور سیکولر افکار و خیالات کی آئینہ دار ہیں۔ ان کی ادب نوازی اور علم دوستی اپنی آپ مثال ہے۔ کرپال آشرم ان کی ادب نوازی کی وجہ سے ادیبوں اور شاعروں کو بھی ایک ساتھ مل بیٹھنے کے مواقع فراہم کرتا رہا ہے اس طرح انھوں نے ہر مکتبۂ فکر و خیال کو دعوت دی کہ:

آؤ مل جل کے محبت کی وہ منزل ڈھونڈیں
جس پہ طوفاں سے ملے امن، وہ ساحل ڈھونڈیں
دل میں پھر تازہ تمنا کا کنول کھل جائے
پھر یہ روٹھا ہوا انسان گلے مل جائے

جذبۂ عشق جو سینے میں رواں ہو جائے
زندگی پھر سے حسیں اور جواں ہو جائے

سنت جی نے اپنے انگریزی خطبات کے مجموعے کے لیے رات کے تین بجے ٹیلیفون پر مضمون کا آخری ٹکڑا املا کراتے ہوئے کہا تھا جس کا ترجمہ جناب علی جواد زیدی کی لفظوں میں ملاحظہ کریں کہ کس طرح وہ شعر و فن اور مقصود زندگی کے بارے میں اپنے نظریے کا ایک حسین و جمیل پہلو پیش کر دینا چاہتے ہوں:

"ممکن ہے کہ اپنے طویل ادبی سفر میں میں اپنے خیالات کو ہمیشہ یکساں

فنکارانہ طریقے سے اپنے اشعار میں پیش نہ کر سکا ہوں۔ یہ فیصلہ کرنا میرے قارئین کا کام ہے کہ میری ادبی کوششیں کس حد تک کامیاب ہوئی ہیں میرے نزدیک جو چیز اہم ہے وہ یہ ہے کہ میں اُس تخلیقی جذبے کا اظہار کرتا ہوں جس کا میں ایک وسیلہ ہوں۔ اس جذبے کا منبع کبھی خشک نہیں ہو سکتا، ہمیشہ رواں رہے گا۔ کیونکہ یہ عطیہ خداوندی ہے۔ ہم جس ساحل نور کا گن گان کرنا چاہتے ہیں وہ بیکراں ہے۔ بس زندگی ہی اتنی مختصر ہے کہ ہم حیران و پریشان رہ جاتے ہیں اس خیال کو میں نے اپنے ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے :

ہماری تعمیر آرزو کی حسین دنیا نہیں مکمل ابھی کھینچی ہیں کچھ لکیریں ابھی تو خاکے بنا رہے ہیں

خوشی کی بات ہے کہ ان کے جانشین سنت راجیندر سنگھ جی مہاراج ملکوں ملکوں ان کے اس پیغام کو پہنچا رہے ہیں اور تعمیر آرزو سے درشن میں مصروف ہیں۔

عابد حسین حیدری

مقدمہ

یہ رنگ و نور و سرور سے بھری سدا بہار زندگی، بڑی سرمستی اور سرشاری کے ساتھ اپنے تمام تضادات، دُکھ سُکھ، تعمیر و تخریب، آنند اور بے چینی، حرکت و سکون، تلوّن اور ہم آہنگی، اختلاف و اتحاد کے ساتھ، لمحہ بہ لمحہ رواں دواں رہی ہے، بدلتی اور آگے بڑھتی رہی ہے۔ کہیں رُکی نہیں اور یہ سلسلہ کروڑوں برس پر پھیلا ہوا ہے۔ اس طویل زمانے کے اور چھور کا پتہ تاریخ اب تک نہیں چلا سکی ہے۔ صدیوں کی فہم و فراست اور علم و حکمت کے باوجود لامحدود اور لامتناہی حقیقت ابھی تک ذہن انسانی کے گھیرے میں پوری طرح نہیں آسکی۔ قیاس آرائیاں برابر جاری ہیں۔ اگر ایک طرف شک، شبہ، بے یقینی اور خوف کی فضا ذہنی سکون چھین رہی ہے تو دوسری طرف مژدۂ شادکامی اور نجات کی امیدیں یہ اعتماد پیدا کر رہی ہیں کہ اندھیروں کی فضا بدلے گی اور ہم اُجالوں کی ازلی اور ابدی دنیا میں آجائیں گے۔ تضادات کی اس گونج میں گھبرایا ہوا انسان، اِدھر اُدھر بھٹک رہا ہے۔ سچائیوں کی تلاش میں، اصل حقیقت تک پہنچنے کی فکر میں، اپنے اپنے مشاہدے، مطالعے اور سمجھ کے مطابق رہنمائی کے دعوے کرنے والے ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی یہ جان رہے ہیں کہ راہیں بہت سی ہیں۔ کبھی کبھی ایک فکری لہر یہ بھی اٹھتی ہے کہ شاید ہر راہ کسی ایک ہی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی ہے!!

سائنس کے تجربات اور تحقیقات کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ جاری ہے، کتنے

مادّی حقائق بدل گیے۔ کتنے نئے گوشے سامنے آئے لیکن مادّی حقیقت کی فکر اُس منزل تک پہنچ نہیں پائی کہ ہم یقین سے یہ کہہ سکیں کہ آخری سچائی اور حقیقت مُطلقہ تک ہماری رسائی ہو چکی۔ وہ نقطۂ خیال سائنس کی گرفت سے دور ہی ہے۔ وہ مطلق کے بجائے 'اضافی نوعیت' کی بات کرنے لگی ہے۔ اس کے برعکس مابعد الطبعیاتی فلسفوں نے ایک مثبت جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے رشیوں، مُنیوں، صوفیوں اور سنتوں نے یہ کہہ کر کہ وہ حقیقت تو خود ہمارے اندر چھپی ہوئی ہے ایک روحانی طرزِ فکر کو اپنایا ہے۔ فلسفہ اور اِزم (ISM) میں اُلجھے رہنے سے اس خوابِ حقیقت کی عملی تعبیر نہیں مل سکتی۔ ہماری تلاش کا نقطۂ آغاز خود شناسی یعنی اپنے نفس کو پہچاننے سے ہونا چاہیے —— اکبرالٰہ آبادی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا:

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

صوفی اور سنت رہنماؤں نے اپنا فکری سفر اِسی اُلجھے ہوئے سرے سے شروع کیا۔ جو طاقت اس عظیم الشان طلسمِ وجودِ ظاہری کو ہماری نظر کے سامنے لاتی ہے اور ذہنی اور فکری الجھنوں کو دور کرتی ہے وہی جستجو ہے حقیقت کی آخری منزل ہے کیونکہ وجودِ مطلق نہ ہوتا تو سب کچھ اور کہاں سے آتا۔ اس وجودِ مطلق کے تجریدی تصوّر کے بارے میں بھی قیاس آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔ اس پر ہندوستان، ایران، عرب وغیرہ میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ فکر آرائی ہوئی ہے اور اب تک جاری ہے۔ اس بحث میں الجھنا مقصود نہیں ہے، لیکن یہ تاریخی حقیقت ناقابل انکار ہے کہ وحدت الوجود کا فلسفہ سب سے زیادہ جاری وساری رہا ہے، اگرچہ ہندوستان ہی میں اس کے پہلو بہ پہلو وحدت شہود کا نظریہ بھی سامنے آیا تھا۔

ان نظریوں کی روح اعمالِ نیک، خیر جاری اور بہبودِ انسانیت کی راہ پر چلنا ہے

یہی راستہ ہمیں سچائی کی منزل تک پہنچائے گا۔ ظاہری رسوم ورواج میں الجھے رہنے سے ہم ایک چھوٹے سے دائرہ میں گردش کرتے رہ جاتے ہیں اور منزل کی طرف سفر شروع بھی نہیں کر پاتے۔ سچائی، نیکی، پرہیز گاری اور خدمت خلق کی زندگی کو اپنا کے ہی ہم اصل حقیقت کو بے نقاب دیکھنے کا حوصلہ پاتے ہیں۔ یہ عمل کا راستہ، انسانی ہمدردی اور آفاقی اتحاد کا بھی راستہ ہے، رنگ، نسل، مذہب کے اختلافات کو بھول کر ہم عشق و محبت کے وسیع سمندر کی بیکرانی اور اس کی تہہ میں غوطے لگا کر ابدی مسرت کے موتی نکالنے کی لذت سے آشنا ہو سکتے ہیں اور ہمت آزما طوفانوں کی بانہیں کرنے اور ان سے نبرد آزما ہونے کا ولولہ پا سکتے ہیں۔ عشق و محبت کے ذریعے ہم ذات کی نیرنگیوں کے سرچشمے اور نفس کی حقیقت سے آشنا ہو کر معرفت نفس کا سرور حاصل کرتے ہیں۔ یہ سرور ہمیں مُرشد کی معرفت سے ملتا ہے۔ یہ فنائے ذات کی منزل ہے فنا فی المرشد یا فنا فی الشیخ ہونے کا مفہوم انا اور اہنکار کی بے راہ روی سے نکل کر طریقت کے مسلک کو اپنا کر بقائے دوام کا حصول ہے۔ یہی راہ وصالِ حق کی منزل کی طرف جاتی ہے اور ہمارے وجود کو تجلیوں سے معمور کر دیتی ہے۔ یہ ترک اور تیاگ کی تعلیم نہیں ہے بلکہ کائنات کی لہلہاتی، مچلتی، مسکراتی، آنند کی سرخوشی بانٹتی، موج سرمستی سے انسانوں کو سرابور کرتی، مسرتوں کے ہزار نئے دروازے کھولتی، دُکھ اور درد سے ڈر کر نہیں بلکہ اپنا کر اُس کے دُور کرنے کی صورتیں نکالتی، تضاد اور ٹکراؤ سے ٹکر لیتی اور سُلجھاتی، سنبھلتی اور آگے بڑھتی زندگی کے برتنے اور لذت ابدی حاصل کرنے کی تعلیم ہے۔ یہ فطرت کی فیاضیوں سے سرافراز ہونے کا دوسرا نام ہے۔ یہی اس دنیا میں وجود انسانی کا جواز ہے۔ کائنات میں فطرت کے سارے عطیئے انسان ہی کے لیے ہیں۔ زندگی کی مشکلوں سے گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش اور فرار سے مسائل حل نہیں ہوتے کے۔

برت لو یار و! برتنے کی چیز ہے یہ حیات ہو لاکھ تلخ، ستم دیدہ، مختصر، تنہا

موجودہ صدی اپنے وجود کی آخری منزلوں میں ہے۔ اس میں دو ہولناک عالمی جنگیں ہوئیں اور چھوٹی چھوٹی کئی لڑائیاں تو آج بھی جاری ہیں۔ دہشت انگیزی اور جنگجوئی نے انسانی امن کو مٹا کے رکھ دیا ہے۔ اعلیٰ اخلاقی قدریں جو ہر فلسفے سے اوپر ہیں مٹی میں ملائی جارہی ہیں۔ مذہب انسانوں کو ملانے کے لیے نہیں بلکہ تقسیم کرنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ ذات پات، قومیت، علاقائیت اور لسانیت کو شانتی بھنگ کرنے کا آلۂ کار بنایا جارہا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ سب سیاسیات کا کھیل ہے اپنی ذمہ داری کو دوسروں پر ٹالنا ہے۔ اگر یہی ہے تو اس کا مقابلہ کون کرے گا؟ حکومتوں نے کتنے لباس پہنے اور اتارے فسطائیت آمریت، اشتراکیت اور اشتمالیت اور پھر یہ مختلف رنگوں والی جمہوریتیں اور ان کا دم بھرنے والی حکومتوں کے ذرائع ابلاغ کیا کر رہے ہیں؟ اسلحوں کی دوڑ جاری ہے۔ توسیع پسندی کا کام تیز ہورہا ہے۔ کیا ہم اس کے خاموش تماشائی بنے رہیں گے؟ انسانی برادری کو ایک رشتے میں پرونے والا تصور مثبت عمل چاہتا ہے، عشق و محبت ہی سے یہ کام بنے گا۔ لیکن اس جذبۂ خلوص و محبت انسانی کی تحریک کہاں سے ملے گی؟ اس کا سرچشمہ وہاں ہے جہاں محبت اور عشق کو ایک فرض روحانی و ایمانی سمجھا جاتا ہے، جہاں لوگ اس کے قائل ہیں کہ محبت سب کے لیے ہے اور اس میں نسل، رنگ، مذہب اور علاقوں کی تفریق ممکن نہیں ہے۔

اس پیغام کی روح افزا گرمی اور احساس قلبی کی ہمہ گیری کو دوسروں تک پہنچانے کا ایک اہم وسیلہ ادب، بالخصوص شاعری ہے، خاص طور سے وہ بامعنی اور بامقصد شاعری جو ارتقائے انسانی و روحانی کو فریضہ مانتی ہے۔

اردو ادب میں تصوّف، معصابیت، اخلاق اعلیٰ انسانیت اور آفاقی محبت کی شاعری کا قابل لحاظ خزانہ ہے۔ اس ذخیرے کو مختلف طریقوں سے اپنانے کی کوشش کی گئی ہے

فارسی میں شاعری کو "جزویست از پیغمبری" کہا گیا۔ یعنی یہ پیغمبری کا ایک حصہ ہے۔
اردو میں غالب نے یہ اعلان کیا کہ ع "آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں"
آرزو لکھنوی نے اسے "الہام" کہا اور سنت درشن سنگھ جی نے اسے "اپنی روح کی
پکار" سے تعبیر کیا۔ درشن کا یہ تصور ایک حد تک داخلی ہوتے ہوئے بھی خارجی محرکات
اور زندگی کے عظیم افکار سے مملو ہے۔ انھوں نے خود کہا ہے:

"روح کے خزینۂ احساس و شعور میں جذبات و تاثرات کا بحرِ بیکراں جو
میری شاعری کا منبع ہے، میرے دو رہنمایانِ حق (مرشد) اور اُن سے
پہلے جتنے ہادیانِ حق روشنی کی دولت لے کر دنیا میں آتے اُن سب کے
نور سے روشن ہے...... میں نے ہر تجلّی گاہ سے کسبِ نور کیا ہے...... ؎

میں نے پی صہبائے عرفاں ہر تجلّی گاہ سے
ایک ہی ساقی تھا جو میخانہ در میخانہ تھا

"میں یہ مانتا ہوں کہ زندگی کے داخلی اور خارجی محرکات و مشاہدات
کو بھرپور خلوص اور ایسے دل نشیں انداز میں پیش کرنا چاہیے کہ اُس سے
انسانی سماج کو اور نوعِ بشر کو ایک ایسا انبساط حاصل ہو جو اُسے متحرک
کر سکے اور اُسے جمود کی گھٹن سے نکال کر ایک ایسی تابندہ منزل کی طرف
سرگرم سفر کر سکے جسے ہم منزلِ محبت یا منزلِ نور کہہ سکتے ہیں....
شاعری تہذیبِ فکر، تشنیطِ روح، شگفتگیٔ معاشرہ اور سرزمینِ عالم
پر بسنے والی مخلوق کے دُکھ درد کا وہ بیان ہے جو معاشرے میں یکجائی
اور روئے زمین پر یگانگت کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ میں
انھیں جذبات و خیالات کو بادہ و ساغر کے پیرایے میں پیش کرنے
کی کوشش کرتا رہتا ہوں"

("میرا نظریہ شاعری" بحوالہ "متاعِ نور" ۴۶۔۵۳)

تصور، قدیم متصوفانہ شاعری کی توسیع ہے اور اس کا سرچشمہ سنت درشن سنگھ جی کا وہ نظریۂ تصوف ہے جسے انھوں نے مثبت تصوّف (POSITIVE MYSTICISM) کا نام دیا ہے۔ ہر اچھی شاعری نظریئے کے علاوہ اپنے خلوص اظہار اور اسلوب و فن کی توانائی سے بھی پہچانی جاتی ہے۔ سنت درشن سنگھ کے وجدانی سرچشمے کے علاوہ اظہار و بیان کی دل کشی بھی ہمیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور روحانی تصورات کو بھی ایک جاندار ارضی اہمیت و معنویت عطا کرتی ہے۔ اس سلسلے میں، درشن سنگھ جی کے فن کے بارے میں اُن کے چوتھے مجموعۂ کلام کے مقدمہ اور اپنے تبصروں میں پہلے بھی میں نے عرض کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں اُن خیالات پر کچھ اور کہنے کی بجائے اس مجموعے کی خصوصیات پر توجہ دلانا زیادہ مقصود ہے۔

ہر اچھی شاعری کی طرح اُن کے یہاں بھی ایک ماورائی عنصر پایا جاتا ہے جو مشاہدے اور مطالعے کو اظہار کا پیکر عطا کرتا ہے اور اس کو جمالیاتی دل کشی کی تصویر بنا دیتا ہے کھردری حقیقتوں میں چھپے ہوئے حُسن سے آگاہ کرکے روح کو بالیدگی اور دل کو مسرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ یہ ماورائی کیفیت غیر حقیقی نہیں ہے کیونکہ خیال اور فکر کے تمام عناصر بنیادی حقیقتوں اور تخلیقی فکر سے ہی پھوٹتے ہیں۔ ظاہری محسوسات کے ماوراء، عام نگاہوں کو نظر نہ آنے والی حقیقت فکر کو لامتناہی امکانی تسلسل تک لے جاتی ہے اور یہی متصوفانہ شاعری کی روح ہے جس کا سلسلہ ہر زبان اور ہر ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ درشن جی کی شاعری اُسی کا اہم حصّہ ہے، کیونکہ یہ اُس زمانے کی پیداوار ہے جب روحانی اور عرفانی شاعری کے نام لیوا صرف خاص حلقوں ہی میں پائے جاتے ہیں۔ سنت درشن سنگھ جی نے اپنے پیغام کو آفاقی ہی نہیں بنایا بلکہ اس کو ایسی دل کشی دے دی ہے کہ اُس کے ترجمے ملکی اور غیر ملکی ساٹھ زبانوں میں ہو چکے ہیں اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

اردو میں موجودہ مجموعۂ کلام کے پہلے اُن کے چار مجموعے اور شائع ہو چکے ہیں۔ "تلاشِ نور" "منزلِ نور" "متاعِ نور" "جادۂ نور"، "تلاشِ نور" پر ایک تفصیلی تبصرہ اور "جادۂ نور" پر مقدمہ میں پہلے ہی پیش کر چکا ہوں۔ اب اِس پانچویں مجموعے "موجِ نور" پر بھی اپنے خیالات کے اظہار کی سعادت نصیب ہوئی ہے ان مجموعوں میں "متاعِ نور" اور "جادۂ نور" کو ہندی زبان کے قالب میں حال ہی ڈھالا جا چکا ہے۔ اردو مجموعوں کے علاوہ انگریزی میں بھی سنت جی کے مجموعے
"LOVE AT EVERY STEP" اور "A TEAR AND A STAR", "CRY OF THE SOUL"
کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ مؤخر الذکر کے آخر میں AFTER WORD کی حیثیت میں میرے بھی تاثرات شامل ہیں۔

نظم کے علاوہ نثر میں بھی درشن سنگھ جی مہاراج کے کئی مجموعے شامل ہیں۔ ان کے بھی ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ درشن جی کو نثرِ مرصع لکھنے پر بھی بڑی قدرت حاصل ہے۔ انھوں نے فارسی، پنجابی اور ہندی میں بھی شاعری کی ہے۔ ایسی جامع اور رنگا رنگ شخصیتیں اردو میں کیا دوسری زبانوں میں بھی شاید ہی ہوں۔ ہر مجموعے میں ان کے محسوسات کی شدت و خلوص اور مطالعے کی وسعت بآسانی دیکھی جا سکتی ہے۔

سب سے پہلے اس مجموعے کی اہم خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے اُن کا بنیادی فلسفہ مثبت تصوف کا ہے، وہ منفی تصوف کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ منفی تصور "بر خود غلط نظریہ توکّل و قناعت اور زندگی سے فرار پر مبنی ہے۔ حقیقی تصوف منزل کو پانے کے لیے مسلسل جدوجہد کا جذبہ ہمارے اندر پیدا کرتا ہے" روحانیت کا مدار وہ عظیم ترین طاقت ہے جو درشن سنگھ جی کے لفظوں میں "اُسے پرماتما کہو، خدا کہو، GOD کہو، واہ گورو، کہو سب کو بنانے والی اور سب کو لیے کھڑی

ہے، اس لیے اس میں آفاقیت ہے۔ انسان دوستی ہے۔ عشق اور محبت کا محور بھی آفاقی ہے۔

سنت جی کا تعلق ایک آفاقی روحانی سلسلے سے ہے جس کے درخشندہ رہنما پرم سنت بابا ساون سنگھ جی مہاراج اور سنت کرپال سنگھ جی مہاراج ہیں۔ روحانی سلسلوں کی عام یکسانیت کے باوجود اُن کی الگ الگ شناختیں بھی ہوتی ہیں۔ اِس خاص سلسلے کی شناخت سنت درشن سنگھ جی مہاراج نے مثبت تصوف

بنائی ہے۔ تصوّف کی فکری سطح پر یہ تصور اب اس سلسلے کے امتیازی نشان کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ یہ ترک کی بجائے دنیا کو اُس مقصدِ عظیم کے لیے برتنے کا پیغام ہے جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ دنیا کی رنگینی، حیات بخشی، عروج آشنائی، جہد پسندی، اس کے رنگارنگ عناصر کی بہود انسانیت کے لیے نتیجۃً اس کے عظیم الشان کوہستانی سلسلے، افق تا افق پھیلے ہوئے سمندروں کا تموّج، یہ سب کچھ کسی تفریق کے بغیر ساری انسانیت کے لیے ہے۔ اس کے باغوں، کھیتوں، بازاروں محلوں جھونپڑوں، کارخانوں اور سڑکوں اور ہوائی شاہراہوں پر چھلکتی ہوئی فطرت کی دولتِ فراواں بلکہ خلاؤں میں پیرتے ہوئے خلا پیماؤں کی حیرت انگیز پروازیں غرض ساری ترقیاں انسانیت کے لیے ہیں۔ اس لیے مثبت انداز سے سوچنے والوں کے لیے لمحۂ فکر یہ بھی آ گیا ہے کہ کیا ان خزانوں، اِن نعمتوں اور اِن ترقیوں کا استعمال عالمِ انسانیت کی بھلائی اور فلاح کے لیے ہو رہا ہے؟ کہیں خلا پیمائی خلائی جنگ کا نقطۂ آغاز تو نہیں، کہیں عناصرِ فطرت کی تسخیر، امن و محبت کے بنیادی مقاصد کے مفاد کے خلاف تو استعمال نہیں ہو رہی ہے؟ اخلاقی اقدار کی تباہی تو نہیں کی جا رہی ہے انسان کی آزادی پر تو چوٹ نہیں پڑ رہی ہے؟ پہلی بار روحانی شاعری اِن سوالات اور مرحلوں پر اتنی تفصیل سے اور اس انہماک کے ساتھ متوجہ ہے۔ یہ کلام درشن کی

کی خصوصیت ہے۔

اس اعتبار سے پیش نظر مجموعہ "موج نور" زندگی کے اسی مثبت تنوع کی رواں دواں موج بیکراں ہے۔ پہلے اس میں غزلیں شائع کرنے کا ارادہ نہیں تھا کیونکہ اُن کی تقریباً سبھی غزلیں "متاع نور" میں شامل کر لی گئی ہیں۔ شائقین کے اصرار پر چند "جادۂ نور" میں لے لی گئی تھیں۔ اس عرصے میں پاکستان کے مشہور ماہر موسیقی جناب غلام علی نے ہندوستان میں اپنی آمد کی یادگار کے طور پر چند غزلیں صدا بند کرائیں اور اُن کے کیسٹ ہندوستان کے باہر، یورپ، امریکہ، ایشیا کے سبھی ملکوں میں بے حد مقبول ہوئے اور چند دلدادگانِ کلامِ درشن کے شدید اصرار پر اِن میں سے دو غزلیں "نوائے دل" کے تحت حاضرِ خدمت ہیں۔ اس مجموعے کی یہ غزلیں قندِ مکرر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان کے علاوہ ناظرین حسب ذیل عنوانات پر نظمیں ملاحظہ کریں گے: (۱) "شانِ وطن، جانِ وطن" رہبرانِ آزادی اور شہداتے قومی کو شاعر کا خراجِ عقیدت ہیں۔ (۲) "فردوسِ نظر" میں جنتِ کشمیر اور کنبھ پر تاثرات ہیں (۳) "رُوحانی مراکز" کا محور روحانی اور سنت مت سے متعلق موضوعات پر منظومات ہیں۔ (۴) "نوائے آزادی" عنوان (۱) ہی کی توسیع ہے اس میں خاندان ہمالہ اور جلیان والا باغ پر نظمیں جذبات کی ہمہ گیری کی امین ہیں (۵) "شعر وسخن کے رازداں" کے عنوان سے غالبؔ کے علاوہ تسیم کرہانی جو شاعر کے استاد تھے اور تلوک چند محروم کے فنی اکتسابات کا پُرخلوص اعتراف ہے۔ جس سے اِن کی ادبی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔ (۶) "تیوہار اور تقریبات" کے تحت دیوالی، عید، سالِ نو پر لکھے گئے قطعات و منظومات ہیں (۷) "احباب باصفا" میں چند خاص دوستوں کے تذکرے ہیں۔ (۸) پنجابی، ہندی اور فارسی میں کچھ قطعات اور نظمیں درج ہیں اور آخر میں "تہنیتیں اور دعائیں" ہیں۔ شادی کے پُرمسرت نغمے ہیں اور اسی کے ساتھ دُلھن کی اپنے گھر سے رخصتی اور دوست احباب سے جدائی پر وداعیہ نظمیں یا قطعے شامل ملیں گے۔

شاعر نے زندگی کے بیشتر پہلوؤں پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ زیادہ تر نظمیں ارتجالاً اور فوری فرمائش پر لکھی گئی ہیں۔ اظہارِ فن سے زیادہ اِن میں سادہ پُرخلوص جذبات بڑے اپنے پن سے پیش کیے گئے ہیں۔ عام شادی و غم کے لمحوں میں جو خاندان والوں یا عزیزوں کے دلوں پر بیتتی ہے اس کو بے تکلفی سے شعر کا جامہ پہنا دیا گیا ہے، لیکن ان مواقع پر بھی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو نمایاں کیا گیا ہے، اور موقع کی مناسبت سے نصیحت آمیز رہنمائی کی گئی ہے۔ اور روحانی عنصر کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ان میں بڑی ارضیت ہے، لیکن خیالات روحانی فضاؤں سے دل کشی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح سنت درشن سنگھ جی نے مثبت تصوّف کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے یہ بتا دیا ہے کہ روحانیت خیالی فضاؤں اور خلاؤں میں پرواز کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ تمام روزمرہ زندگی، قومی اور ملکی فضاؤں میں مصروفِ عمل رہنے اور خدمتِ خلق کے جذبے کو آفاقی شکل دینے کا نام ہے۔ یہ پیغامِ عمل بھی ہے اور روحانی بلندیوں کو چھونے کی سعیِ نیک بھی۔

اس سے زیادہ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے لیکن ان کے اس رنگ کلام کے کچھ نمونے درشنؔ کے اس خاص پہلو کو نمایاں کرنے کی غرض سے یہاں دیے جا رہے ہیں۔ غزلوں کا رنگ اُن کے اِن اشعار میں جھلکتا ہے:

ہمیں تو شوقِ جستجو میں ہوش ہی نہیں رہا سنا ہے وہ تو بارہا قریب سے گزر گیے

حرم والے تو پوچھیں گے بتا تو کس کا بندہ ہے خدا سے پہلے لب پر ان کا نام آیا تو کیا

رباعی اور قطعہ کا آہنگ یہ ہے:

اُن کوچے میں مستانہ ہوا آتی ہے آہوں کے عوض بادِ صبا آتی ہے
کرتا ہے محبت پہ مری طنز کوئی روتا ہوں تو ہنسنے کی صدا آتی ہے

احساس کے شعلے کو بجھا دیتا ہے جذبات پہ اک مہر لگا دیتا ہے
انساں کو غرورِ علم و حکمت درشنؔ پتھر کا مجسمہ بنا دیتا ہے

آزادی و حب الوطنی کی نظموں کا لہجہ شہید آزادی سردار بھگت سنگھ کو خراج عقیدت میں یوں جھلکتا ہے:

وطن کو عزم ملا تیرے جوش الفت سے — زمیں بلند ہوئی تیرے اوج ہمت سے
ملا شرف تری قربانیٔ محبت سے — حیات قوم نے پائی تری شہادت سے

تری حیات کا ہر باب قابل تقلید
رکھیں گے یاد تجھے ہم سدا عظیم شہید

اتحاد مذاہب و اقوام پر کئی نظمیں لکھی ہیں اور اہل وطن کو یہ پیغام دیا ہے کہ اتحاد ہی بقائے آزادی کا ضامن ہے۔

قدم ملا کے قدم سے جو زندگی نہ چلی — تو پھر رہے گا نہ آزادیٔ وطن کا وقار
گلے لگا لو ہر انسان کو کہ اپنا ہے — چلو تو راہگزاروں میں بانٹتے ہوئے پیار

گاندھی جی کی شہادت ایک اثر انگیز نظم میں لکھتے ہیں:

کبھی نہ ہوگا اندھیرا کہ تیرا پاک لہو — ابد کے ہاتھ میں تنویر کا کنول دے گا
مجھے یقین ہے یہ اک صدی کی بات نہیں — صدی صدی کو اجالا ترا عمل دے گا

ڈاکٹر ذاکر حسین کو جمہوریۂ ہند کا صدر منتخب ہونے پر جو مبارکباد دی ہے وہ دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے:

تجھ سے مضبوط ہوا ملک میں جنتا کا نظام — تیرے ہاتھوں میں ہے اب اہل عزائم کی لگام
تو ہوا آج سے بے تاج شہنشاہ عوام — صدر جمہوریۂ ہند مبارک تجھ کو

مناظر فطرت سے درشن کو فطری پیار تھا۔ "تاج ہند" کے عنوان سے کشمیر پر تازہ ترین سیاحت کے تاثرات ان لفظوں میں پیش کیے:

یہی ہے جنت ارضی یہ وادیٔ کشمیر — جو ضو فگن ہے بلندی پہ کہکشاں کی طرح
یہ برف پوش پہاڑوں کی چوٹیوں کی نمود — چمک رہی ہے جو رخسار مہوشاں کی طرح

یہ ڈل کی شام، یہ دلکش چنار کے سایے — یہیں تو صبح کی کرنیں نہانے آتی ہیں
یہیں تو شام کے افسوں میں ڈوب کر آنکھیں — سہانے دن کے فسانے سنانے آتی ہیں

خدا کرے کہ یہ سرو سمن کا گہوارہ یہ سبزہ زار محبت یہ سرزمین بہار
ہمیشہ میری نگاہوں میں تابناک رہے کبھی نہ جائے مرے دل سے اس دیار کا پیار

کنبھ اور امرت میں منظر فطرت سے روحانیت سے انسانیت تک کا سفر ان لفظوں میں طے کرتے ہیں ؛

خود شناسی کی یہ منزل ہے اسے اپنا لو ڈوبتی ناؤ کا ساحل ہے اسے اپنا لو
روح کی نور کی محفل ہے اسے اپنا لو اس کے ہر ذرے میں اک دل ہے اسے اپنا لو

رکھو آہستہ قدم راہ میں دل بکھرے ہیں۔
آدمیت کے سبھی رنگ یہاں نکھرے ہیں۔

یہی فضا لیکن قدرے مختلف آہنگ میں " روحانی مراکز" سے متعلق نظموں میں بھی ملتی ہے۔ یہ نظمیں زیادہ تر بیانیہ ہیں۔ اور روایتی انداز کی ہیں جن میں پیغام کی ہم آہنگی پر نظر جمی رہتی ہے لیکن شعریت بھی جھانکتی رہتی ہے ؛

چل پڑے گی جب ہوا کھیتوں کا چہرہ چوم کے بالیاں گائیں گی نغمہ شانتی کا جھوم کے

" نوائے آزادی" میں ہندوستان کی عظمت، آزادی کی مسرت اور استحکام آزادی کا جذبہ بڑی خوب صورتی سے پیکر اظہار میں آیا ہے۔ شاعر کو نوجوان نسل سے جائز طور سے ترقی اور استواری کردار کی امیدیں وابستہ ہیں اور انھوں نے اس جانب خاص توجہ دلائی ہے۔ "خاندان ہمارا" اس سلسلۂ منظومات کی سب سے اہم نظم ہے ؛

حباب و موج کی شکلیں جدا جدا ہی سہی جنون و عزم میں اک آبشار ہیں ہم لوگ
ہمارے عزم کو کوئی شکست کیا دے گا کہ ایک سلسلۂ کوہسار ہیں ہم لوگ

خلوص دل بھی وہی، جذبۂ وفا بھی وہی یقیں کرو کہ سراپائے اعتبار ہیں ہم
خطوط وقت کے بٹنے سے دل نہیں بٹتے کہ اک قبیلۂ ارضی کے رشتہ دار ہیں ہم

آزادی وطن، صبح بہاراں میں بھی ان کی نظریں انسانیت اور وطن کے مستقبل پر جمی ہیں اور

امنِ عالم کا مقصد سامنے ہے۔

کھلا جو پرچم آزادی، بہارِ وطن خوشی سے جھوم اٹھا کاروانِ انسانی

عمل کی رزم میں تھے سرفروش راہ نما دعا کی بزم میں تھے رہبرانِ روحانی

یہ اور بات ہے منزل ملی تو بھول گئے کہ مانگتا ہے ابھی ملک اور قربانی

صدائے امنِ جواہر کو عام کرنا ہے کہ جلد ختم ہو ایٹم کی زہر افشانی

ہر ایک دشت سے آبِ حیات پھوٹ بہے فضائیں سبز نظر آئیں کھیتیاں دھانی

قدم بڑھاؤ کہ منزل ہے دور ہم سفرو! نہ سمجھو راہ کو منزل، کہ ہے یہ نادانی

انسانوں کی تفریق سے درشن کو روحانی اذیت تھی۔ وہ وحدت قومی ہی نہیں بلکہ انسانیت کی یک جہتی کے علم بردار تھے۔ انھوں نے بار بار اہل وطن کو للکارا۔ اور آزادی اور بہادری کا پیام دیا۔ ایسی کئی نظموں میں لہجہ خطیبانہ اور دلیرانہ ہے۔ اور پھر ترانے کا انداز ہے۔

امینِ وارث و تلسی ہو پیار بھول گئے مطیع گوتم و عیسیٰ ہو کیا ہوا کردار

سر زمینِ چشتی و نانک کا باشندہ ہوں میں میری فطرت میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں

میرے شیشے سے نہ مانگو جنگ و نفرت کی شراب میرے شیشے میں تو الفت کے سوا کچھ بھی نہیں

بڑھو جوانو!

بن جاؤ طوفان، جوانو! تم بھارت کی آن، جوانو!

تم دھرتی کی جان، جوانو! ہے تم پر قربان، جوانو!

سارا ہندستان، جوانو! بڑھو جوانو، بڑھو جوانو!

ہر چند انتشار سے مجھے ناپسند ہے ہوں اہلِ دل سرشت مری دردمند ہے

لیکن کوئی جھکائے تو کرتا ہوں سربلند اتنا بلند جتنا ہمالہ بلند ہے

غالب کے بارے میں درشن نکتہ شناس طبیعت نے یوں نذرانہ پیش کیا،

نہ تھا رشتہ کوئی دیر و حرم سے ۔۔۔ مگر ممدوح شیخ و برہمن تھا
خیال اس کا نشاط انگیز حکمت ۔۔۔ دماغ اس کا تفکر پیرہن تھا
خبر رکھتا تھا سرِ رنگ و بو کی ۔۔۔ وہ ایسا محرم سرو سمن تھا
نقوش جادداں اس نے تراشے ۔۔۔ وہ کہسار ادب کا تیشہ زن تھا

شمیم سے استادی شاگردی کا رابطہ تھا، لیکن ان پر جو نظم لکھی اس میں شمیم کی انسان دوستی اور حب وطن کے پہلوؤں کو اجاگر کیا،

یوں تو ہر اک دل وطن کے عشق سے لبریز تھا ۔۔۔ اس کے مینا میں یہ بادہ اور بھی کچھ تیز تھا
صلح کل پیغام اس کا آشتی اس کی نوا ۔۔۔ اس کا دل تھا وحدت دیر و حرم سے آشنا
شمع مسجد تھی کہ مندر کا چراغ شام تھا ۔۔۔ ہر دیے سے روشنی لینا اسی کا کام تھا
باوجودِ علم و دانش خاکساری اس قدر ۔۔۔ سر خمیدہ ہی رہا کرتی ہے شاخِ بارور

ان کی ہمہ گیر محبت اور تمام مذاہب کے رہبران سے حسن عقیدت کے نمونے ان متعدد قطعات میں ملتے ہیں جو انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت امام مہدی کی شان میں لکھے ہیں یا جن میں حضرت نظام الدین اولیاؒ اور مرشد کامل سنت کرپال سنگھ جی مہاراج کو نذرانۂ خلوص پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح تیوہاروں میں عید اور دیوالی کی خوشیوں میں یگانگت اور قربت کے احساس کے ساتھ شرکت کی ہے۔ تیوہاروں میں 'سالِ نو' کا تعلق کسی خاص مذہب سے نہیں ہے، لیکن اس کی مسرتوں میں بھی وہ دل و جان سے شریک رہے ہیں۔ دراصل یہ بڑی نازک منزلیں ہوتی ہیں جہاں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والی عظیم ہستیوں پر اظہارِ خیال ہو، حسن عقیدت میں توازن قائم رکھنا اور اس کے اظہار میں جذبات و احساسات کی گرمی برقرار رکھنا آسان نہیں ہے، لیکن سنت درشن جی کے یہاں ایسی روانی، بے تکلفی اور تعلق روحانی ہے کہ پڑھنے والے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ 'جادۂ نور' میں بھی ایسے موضوعات پر کئی مستقل نظمیں شائع

ہو چکی ہیں اور میں نے اپنے مقدمے میں اُس پر اظہار خیال بھی کیا ہے۔ اُن کو دہرانا مقصود نہیں ہے نظم اور قطعہ میں دریا اور کوزے کی نسبت ہے۔ اس مختصر کوزے سے بھی عقیدت کی گرمی اور سیرت کی پاکیزگی پھوٹی پڑتی ہے۔ سال نو کی نظموں سے عصری احساسات چھلکتے ہیں۔

خالص ذاتی اور خاص موقعوں پر تقریباً سبھی نظمیں قلم بر داشتہ اور فی البدیہہ لکھی گئی ہیں۔ یہ متفرق کاغذوں میں پڑی تھیں۔ اُن پر شاعر نے نظر ثانی بھی نہیں کی تھی۔ اِن کی روانی، سادگی اور بے اختیارانہ اظہار کے باوجود ان میں بھی خلوص نے ایک کیفیت پیدا کر دی ہے اور سہرے کی تہنیت اور عزیزوں کے مفارقت کے احساس درد میں بھی اسی سادگی اور بزرگانہ روش کی جھلک ہے جو سنت درشن کی شاعری کی عام شناخت ہے۔ یہاں اُن کے اقتباسات سے پرہیز کروں گا کیونکہ مقدمہ ویسے ہی طویل ہو گیا ہے۔ یہ نظمیں خاص طور سے قابل لحاظ ہیں۔ منقبتی قطعات کے چار مصرعوں میں جس خوبی سے اور اعتقادی بصیرت کے ساتھ جذبات دلی کا اظہار کیا گیا ہے وہ اُن کی وسیع النظری اور جرأت اظہار کا مظہر ہے۔

مجھے یقین ہے کہ مثبت تصوف کے اِن پہلوؤں پر حاوی اس مجموعے کے مطالعے سے ناظرین درشن کی شاعری کے ایک اور اچھوتے رخ سے آشنا ہوں گے اُن کے شعری ذخیرے کے اِس پانچویں اور تا حال آخری مجموعے کے مطالعے کے بغیر روحانیت کے اسرار اور متصوفانہ شاعری کے تمام فنی اور عارفانہ رموز کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس کے مطالعے سے عملی طور پر مثبت تصوف کی رنگارنگی کا اندازہ لگایا جا سکے گا اور اردو شاعری میں سنت درشن سنگھ جی مہاراج کے اکتسابات فکری و فنی کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔

اس مجموعے کی اشاعت میں سنت راجندر سنگھ جی نے خاص طور سے

دل چسپی لی ہے اور جیسا کہ اُن کے پیش لفظ سے ظاہر ہے انھوں نے اس کے ادبی اور عرفانی پہلوؤں پر بھی گہری نظر ڈالی ہے۔ اُن کی عنایت سے اب اس کا ہندی ایڈیشن بھی تیار ہو رہا ہے۔

جن دوستوں نے اشاعت و طباعت کی مختلف منزلوں میں ساون کرپال پبلی کیشنز کا ہاتھ بٹایا ہے اُن میں گورو دیال سنگھ گروور، پریتم سنگھ ناگپال، عابد کرہانی عابد حسین حیدری، جی۔ آر۔ گروور، یوگیش نیاگی، پی۔ ایس۔ گروور، مراد کرہانی اور پرمود گروور کی لگن اور خلوص کا ذکر ضروری ہے۔

علی جواد زیدی
۱۹۹۵ء

۵/۱۵ اے گرین فیلڈز
مہاکالی کیوز روڈ اندھیری ایسٹ بمبئی ۹۳

پیامِ محبّت

شوقِ جستجو

[سنت درشن جی کی کئی غزلیں پاکستان کے مشہور ماہرِ موسیقی
جناب اُستاد غلام علی کی دل نشین آواز میں "کلامِ محبت" کے
عنوان سے صدا بند کی گئی تھیں۔ یہ کیسٹ بہت مقبول ہوئے
قارئین کے اصرار پر ہم یہاں فخر کے ساتھ دو غزلیں پیش کر رہے ہیں]

○

وہ پیکرِ بہار تھے، جدھر سے وہ گزر گئے
خزاں نصیب راستے بھی سج گئے سنور گئے

یہ بات ہوش کی نہیں یہ رنگ بیخودی کا ہے
میں کچھ جواب دے گیا، وہ کچھ سوال کر گئے

میری نظر کا ذوق بھی شریکِ حُسن ہو گیا
وہ اور بھی سنور گیے، وہ اور بھی نکھر گیے

نہ جامِ مُل نہ شامِ گُل، چمن اُداس اُداس ہے
وہ کیا رُکے کہ قافلے بہار کے ٹھہر گیے

ہمیں تو شوقِ جُستجو میں ہوش ہی نہیں رہا
سُنا ہے وہ تو بارہا قریب سے گزر گیے

نوائے دردِ حزیں بہت نحیف تھی مگر
فضائے دل کی خامُشی میں پھول سے بکھر گیے

★★★

نگاہِ مستِ ساقی کا سلام آیا تو کیا ہوگا
اگر پھر ترکِ توبہ کا پیام آیا تو کیا ہوگا

حرم والے تو پوچھیں گے بتا تو کس کا بندہ ہے
خدا سے پہلے لب پر اُن کا نام آیا تو کیا ہوگا

مجھے منظور اُن سے مَیں نہ بولوں گا مگر ناصح
اگر اُن کی نگاہوں کا سلام آیا تو کیا ہوگا

چلا ہے آدمی تسخیرِ مہر و ماہ کی خاطر
مگر صیاد ہی خود زیرِ دام آیا تو کیا ہوگا

مجھے ترکِ طلب منظور لیکن یہ تو بتلا دو
کوئی خود ہی لیے ہاتھوں میں جام آیا تو کیا ہوگا

محبت کے لیے ترکِ تعلق ہی ضروری ہو
محبت میں اگر ایسا مقام آیا تو کیا ہوگا

جہاں کچھ خاص لوگوں پر نگاہِ لطف ہے درشن
اگر اُس بزم میں دورِ عوام آیا تو کیا ہوگا

نوائے دل

(واردات قلبیہ اور تجرباتِ روحانی سے متعلق متفرق قطعات کو مرتب نے یکجا کردیا ہے تاکہ درشن جی کے اندازِ سخن اور طرزِ فکر کی ایک جھلک دیکھی جا سکے)

اس کوچے سے مستانہ ہوا آتی ہے
آہوں کے عوض بادِ صبا آتی ہے
کرتا ہے محبت پہ مری طنز کوئی
روتا ہوں تو ہنسنے کی صدا آتی ہے

کیسے کہوں تقدیر بدل جاتی ہے
ہاں زلفِ گرہ گیر بدل جاتی ہے
دیوانہ تو رہتا ہے جگہ پر اپنی
دیوانے کی زنجیر بدل جاتی ہے

گلشن سے بیاباں نے یہ ارشاد کیا
کیوں زرد ہے کس نے تجھے ناشاد کیا
گلشن نے کہا آنکھ میں بھر کر آنسو
انساں نے مجھے لوٹ کے برباد کیا

امید بھری رات بھی کیا ہوتی ہے
ویدنا ہردے کی ہر آن سوا ہوتی ہے
آہٹ جسے قدموں کی سمجھتا ہوں ترے
وہ دل کے دھڑکنے کی صدا ہوتی ہے

احساس کے شعلے کو بجھا دیتا ہے
جذبات پہ اک مہر لگا دیتا ہے
انسان کو غرور علم و حکمت درشن
پتھر کا مجسمہ بنا دیتا ہے

جو خوش ہیں پشیماں نظر آئیں گے وہی
میرے لیے گریاں نظر آئیں گے وہی
چلتے ہیں جو دامن کو بچاتے ہوئے آج
کل چاک گریباں نظر آئیں گے وہی

اصول میں نے بنایا ہے زندگی کے لئے
جو اک منارۂ روشن ہے آدمی کے لئے
"حرم کدے سے ملے یا صنم کدے سے ملے
مجھے تو چاہیئے اک شمع روشنی کے لئے"[1]

امن زخم جگر کا مرہم ہے
امن ڈھونڈو کہ زندگی کم ہے
امن سے دل کے پھول کھلتے ہیں
جنگ شعلہ ہے امن شبنم ہے

تبسم وہ کہ مثل غنچہ ہر اک خار ہو جائے
تکلم وہ کہ سارا میکدہ گلبار ہو جائے
ہمیں تسلیم یہ دفتر ہے اک آتش فشاں لیکن
جو ہو حسنِ عمل، آتش فشاں گلزار ہو جائے

★★★

---

[1] حضرت شمیم کرہانی کا ایک شعر

شانِ وطن جانِ وطن

شہیدآزادی

سردار بھگت سنگھ

عجیب دور تھا وہ دورِ قید و بندش بھی
فضائے دل پہ مسلط تھیں ظلمتیں غم کی
عروج پر تھا چمن میں نظامِ تشنہ لبی
ہر اک طرف غمِ ویرانگی تھا وحشت تھی
وطن کو ناز کہ باطل شکن ملا تجھ سا
امیرِ زندہ دلانِ وطن ملا تجھ سا

وفا پرستوں پہ ہر راہِ زندگی تھی بند
جب اہلِ دل پہ ستم کر رہے تھے ظلم پسند
فرازِ دار پہ بھی تو نے سر کیا تھا بلند
ترے طفیل ہوئی مادرِ وطن خرسند
ترے لہو میں تھا وہ شعلہ سرفروشی کا
جلا کے رکھ دیا جس نے نظامِ جود و جفا

رہے گی یاد بھگت سنگھ تیرے عزم کی بات
مٹے نہ جادۂ ہمت سے تیرے پائے ثبات
ترے لہو کے چراغوں سے جگمگا اٹھی رات
لرز اٹھی ترے تیشے سے خسروی کی حیات
ترے لہو سے ملی تھی نویدِ آزادی
سلام تجھ کو مرا اے شہیدِ آزادی

وطن کو عزم ملا تیرے جوشِ الفت سے
زمیں بلند ہوئی تیرے اوجِ ہمت سے
ملا شرف تری قربانیٔ محبت سے
حیات قوم نے پائی تری شہادت سے
تری حیات کا ہر باب قابلِ تقلید
رکھیں گے یاد سدا ہم تجھے عظیم شہید

★★★

روح مہاتما کی پکار

(یہ نظم گاندھی جینتی ۲ اکتوبر کو مہاتما گاندھی کی پاک سمادھی راجگھاٹ پر پیش کی گئی)

مہاتما کی سمادھی کی پاک دھرتی پر
ملے ہیں منزلِ انساں کے کارواں سالار

حرم کے پھول، کلیسا کے پھول، دیر کے پھول
جو کھل اٹھے ہیں تو آئی ہے اس چمن میں بہار

سحر کو ڈھونڈ کے لایا ہوں گوردواروں سے
کہ زندگی کا اندھیرا تھا تشنۂ انوار

ٹپک پڑتے ہیں محبت کی آنکھ سے آنسو
تو دھل گیا ہے رُخِ آدمی سے گرد و غبار

حیات کیا ہے، دلوں کا ملاپ ہے اے دوست!
یہ معرفت نہیں حاصل تو زندگی بیکار

مرے عزیز ذرا سن تو شور جمنا کا
ہر ایک موج ہے روحِ مہاتما کی پکار

پکار ہے کہ نگہبانو قومی کشتی کے
تمہارے عزم سے بیڑا وطن کا ہوگا پار

الگ الگ سہی مذہب ہے روحِ مذہب ایک
ہزار رنگ گلوں سے ہے وحدتِ گلزار

یہ اور بات کہ ہر بت جدا جدا ہے مگر
ہر ایک بت کا ہے صورت گر ایک ہی فن کار

وہی جو خالقِ عالم ہے، خالقِ آدم
دیا ہے جس نے ہمیں عشق کا دلِ بیدار

جھکا دو اپنے سروں کو بچشمِ نم یارو
جہاں بھی آئیں نظر تم کو اہلِ دل کے مزار

خدا سے عشق کرو، آدمی سے پیار کرو
کہ عشق ہی سے چمن میں ہے زندگی کی بہار

جہاں جہاں بھی محبت کے نقشِ پا دیکھو
وہاں وہاں کرو تم نقدِ جان و دل کو نثار

انہیں سے ہم نے محبت کی روشنی پائی
انہیں سے ارضِ ہمالہ ہے چشمۂ انوار

قدم ملا کے قدم سے جو زندگی نہ چلی
تو پھر رہے گا نہ آزادیِ وطن کا وقار

گلے لگاؤ ہر انسان کو کہ اپنا ہے
چلو تو راہگزاروں میں بانٹتے ہوئے پیار

یہ اتحادِ وطن زندگی کا ضامن ہے
اس اتحاد سے آئے گی دشت و در میں بہار

وقار اور بھی پائے گا ہند عالم میں
بلند اور بھی دنیا میں ہوگا یہ مینار

بشر کے باغ میں روحِ بہار اور بڑھے
دعا یہ ہے کہ وطن کا وقار اور بڑھے

★★★

اہنسا کا سپاہی

ترے لہو کے تبسم سے اے شہید وطن
دیارِ ہند میں آئی بہارِ آزادی
عجیب حسنِ اثر تھا تری اہنسا میں
چمن سے اٹھ گیا دورِ نظامِ صیادی

جہانِ نو کے پیامی ترا جواب نہیں
تری صدا سے ہوئے کاروانِ دل بیدار
ترے عمل سے ملی قوم کو نئی ہستی
ترے لہو سے دھلا چہرۂ وطن کا غبار

زمینِ ہند کے ہر ذرّے پر درخشاں تھی
ترے خلوص کی تابش، تری دیانت کی ضو
قدم قدم پہ ہوائے مخالفانہ چلی
نہ ہو سکی کبھی مدّھم ترے چراغ کی لو

ترے عمل کو صداقت سے ایسا عشق رہا
کہ تجھ کو رہبرِ حق بین و حق نگاہ کہیں
اگرچہ تن پہ ترے تھا قلندرانہ لباس
مگر وہ شان کہ بے تاج بادشاہ کہیں

وطن کی راہ میں اہلِ وطن کی الفت میں
رہے گی یاد فقیرانہ زندگی تیری
جہادِ تیرہ شبی میں گزار دی اک عمر
جہاں میں فاتحِ ظلمت ہے روشنی تیری

کبھی نہ ہوگا اندھیرا کہ تیرا پاک لہو
ابد کے ہاتھ میں تنویر کا کنول دے گا
مجھے یقین ہے یہ اک صدی کی بات نہیں
صدی صدی کو اجالا ترا عمل دے گا

***

امن کا سپاہی

وہ گاندھی وہ اہنسا کا سپاہی
وہ صلح و امن کی راہوں کا راہی

بلند آوازِ حق کرتا تھا ہر سُو
چمن کو بانٹتا پھرتا تھا خوشبو

وہ حق آگاہ تھا مردِ خدا تھا
بشر کا دوست تھا، درد آشنا تھا

وہ صحرا میں ہو یا صحنِ چمن میں
گریباں چاک تھا عشقِ وطن میں

دوائے ہر دلِ اندوہ گیں تھا
طبیب قوم و مسیحائے زمیں تھا

جنوں کے دل کی ضرب منتصل تھا
امیر کاروانِ اہلِ دل تھا

اہنسا باعث فتح و ظفر بھی
اہنسا تیغ بھی تھی اور سپر بھی

فروغِ بزم نام و ننگ تھا وہ
حریفِ طاقت افرنگ تھا وہ

سراپائے محبت دل تھا اس کا
ٹپکتی تھی نظر سے دل کی صہبا

خودی کا جذبۂ بیدار تھا وہ
نہتا برسرِ پیکار تھا وہ

خوشا قسمت کہ وہ رہبر تھا اپنا
ہم اہلِ دل تھے وہ دلبر تھا اپنا

۵

چمن میں ساری شادابی اسی سے
فروغِ صبح آزادی اُسی سے

اُسی سے گلشنِ جمہور خنداں
اُسی سے جلوۂ رنگِ بہاراں

اُسی کے دم سے دھرتی کی بہاریں
اُسی کے خون کی ساری بہاریں

وہی نغمہ گرِ امن و اماں ہے
اسی کا نقشِ پا ہندوستاں ہے

★★★

جنم دن

(قطعہ)

آج باپو کا جنم دن ہے مبارک ساتھیو
آؤ ان کی سیرت و کردار کی باتیں کریں
ان کے رستے ہی پہ چل کر ہوگا بھارت سربلند
آج کے دن شانتی اور پیار کی باتیں کریں

لال گلاب

(یہ نظم پنڈت جواہر لال نہرو کے یومِ ولادت پر لکھی گئی)

اے جواہر لال! اے عزمِ جواں کے آفتاب
تیری ہستی تھی گلستانِ ہمالہ کا گلاب

سچ کا عاشق، حسنِ آزادی کا متوالا تھا تو
مادرِ ہندوستاں کی گود کا پالا تھا تو

نکہتِ گل جاگتی تھی یوں قدم کی دھول سے
پھوٹتی ہے جس طرح خوشبو سحر کو پھول سے

کاروانِ امن و آزادی کا دلکش رہنما
ساری دنیا کے لیے تھا شانتی کا دیوتا

رات دن چلتا رہا کانٹوں میں راہی کی طرح
زندگی تو نے بسر کر دی سپاہی کی طرح

کوئی کس دل سے بھلا سکتا ہے قربانی تری
صفحۂ تاریخ پر تاباں ہے پیشانی تری

تیرا لہجہ، تیرا نغمہ، قوم کو مرغوب تھا
تیرا پیکر ہند کے جمہور کا محبوب تھا

رنگ لایا دہر میں تیری تمنا کا شباب
تو نے برپا کر دیا سارے جہاں میں انقلاب

تابشِ کردار سے جگ میں اجالا کر دیا
مادرِ ہندوستاں کا بول بالا کر دیا

تیرے فیضِ عشق سے تھا مسجد و مندر میں پیار
تیری ہستی سے محبت کے چمن پر تھی بہار

اتحادِ قوم کی صہبا سے تھا مخمور تو
مسکرا کر غم کو کر دیتا تھا دل سے دور تو

شاد رہنا جیل خانوں میں مصیبت جھیل کر
زندگی تو نے گزاری موت سے ہنس کھیل کر

نورِ ماضی کا سراپا جلوہ باقی تھا تو
ہند کے میخانۂ جمہور کا ساقی تھا تو

اختلافوں کی فصیلیں توڑتا رہتا تھا تو
دل کے مرہم سے دلوں کو جوڑتا رہتا تھا تو

دل سے ہم نقشِ وفا ہرگز مٹا سکتے نہیں
تو ہمارا دل ہے ہم تجھ کو بھلا سکتے نہیں

تو گلابِ زندگی تھا گل فشانی تیرا کام
دیں گے ہم سارے جہاں کو تیری خوشبو کا پیام

ملک میں خود اعتمادی آئی تیری ذات سے
ہند نے پھر سربلندی پائی تیری ذات سے

تجھ کو بھارت کی ترقی کا سدا رہتا تھا دھیان
چاہتا تھا تو کہ بڑھ جائے وطن کی آن بان

اونچے اونچے باندھ بنوائے کہ ہو سب کا بھلا
سینچی جائیں کھیتیاں، آنچل ہو دھرتی کا ہرا

باندھ سے بجلی بنے، بجلی سے پھیلے روشنی
شہروں شہروں، گانو گانو جگمگائے زندگی

دیش میں اپنے بنے سامان سارے دیش کا
تیرا سپنا بن گیا ارمان سارے دیش کا

کارخانے چل پڑیں، ہر چیز بھارت میں ڈھلے
اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے دیش کا بیڑا چلے

تو نے ایسی زندگی بخشی ہے ہندی فوج کو
جیسے ساگر جوش میں لاتا ہے اِک اِک موج کو

تیری سینا تیرے بھارت کی رہے گی پاسبان
جان دے کر بھی بچائے گا وطن کو ہر جواں

شانتی کی راہ کی مشعل رہے گا "پنچ شیل"

امنِ عالم کی نکالی تو نے اک روشن سبیل

★★★

تہنیت خلوص

[عالی جناب صدرِ جمہوریۂ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب]

صدرِ جمہوریۂ ہند مبارک تجھ کو!
حرم و دیر و کلیسا کا نگہباں ہونا
وادی و گلشن و دریا کا نگہباں ہونا
عظمتِ بزمِ ہمالہ کا نگہباں ہونا

صدرِ جمہوریۂ ہند مبارک تجھ کو!
تجھ سے مضبوط ہوا ملک میں جنتا کا نظام
تیرے ہاتھوں میں ہے اب اہلِ عزائم کی لگام
تو ہوا آج سے بے تاج شہنشاہ عوام

صدرِ جمہوریۂ ہند مبارک تجھ کو!

جیت، جمہوریۂ ملک کے ایوان کی جیت
قوم کے بڑھتے ہوئے عزم کی، ارمان کی جیت
یہ تری جیت ہے اک صاحبِ ایمان کی جیت

صدرِ جمہوریۂ ہند مبارک تجھ کو!

تیری خدمت میں ہر اک اہلِ وطن آیا ہے
نذر کو جذبۂ اخلاص و وفا لایا ہے
پرچمِ قوم و وطن فخر سے لہرایا ہے

صدرِ جمہوریۂ ہند مبارک تجھ کو!

★★★

ہند کا فرزند

(قطعہ)

ذاکر حسین، ہند کا فرزندِ ارجمند
آئینۂ خلوص تھا، روشن ضمیر تھا
رہتا تھا وہ محل میں مگر سادگی کے ساتھ
سرتاجِ ہند ہو کے بھی مردِ فقیر تھا

★★★

جمہور کا سنگم

(بیادِ ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم)

ایسا انساں اٹھ گیا. جو عشق کا مینار تھا
جو سراپا آدمیت تھا، مجسم پیار تھا
بادۂ حب وطن سے مست تھا، سرشار تھا
ورثۂ تہذیبِ قومی کا امانت دار تھا

جس کا دل رمز آشنائے دردِ جمہوری رہا
ظلمت ماحول میں نوری تھا وہ نوری رہا

قوم کا رکنِ مکرّم، ملک کا دانا پسر
اس سے وابستہ تھی ہندوستاں کی تہذیب ہنر
اس کا گھراں وقفِ قومی، سارا بھارت اس کا گھر
اور گھر والوں میں شامل دیش کا اک اک بشر
رفعتِ کردار سے وہ خلق کا ہمدم ہوا
ایسا ذرّہ تھا جو اک دن نیرّ اعظم ہوا

مادرِ ہندوستاں کے دل کو آئے کیسے چین
کس طرح آخر گوارا ہو فراقِ نورِ عین
چھٹ گیا نورِ نظر، فخرِ وطن ذاکر حسین
ورنہ قوی تھا، سترِ زیست کا محرم تھا وہ
مشترک تہذیبِ ہندی کا حسین سنگم تھا وہ

تھا وہ اک مرکز، سمٹ کر آ گئے جس پر عوام
اس پہ قائم تھا وطن کے حسن و وحدت کا نظام
اس نے اپنے ملک کی قسمت سنواری صبح و شام
زندگی جہدِ مسلسل میں گزاری لاکلام

عشق سے لبریز اس کا سینۂ بے کینہ تھا
اس کا قلبِ پاک حسنِ قوم کا آئینہ تھا

آرزو ہے دل میں سوزِ جاوداں پلتا رہے
کارواں اس کی مبارک راہ پر چلتا رہے
جو دیا اس نے جلایا ہے سدا جلتا رہے
امن و عرفاں کے حسیں سانچے میں دل ڈھلتا رہے

اس کی سیرت ہر دلِ ہندی میں تابندہ رہے
دوستی زندہ رہے، انسانیت زندہ رہے

★★★

شہیدِ امن

[شری لال بہادر شاستری کے سانحۂ ارتحال پر]

ہائے برباد ہوئی انجمنِ اہلِ وفا
غم کا اک ابرِ سیہ سارے جہاں پر چھایا

امنِ عالم کے لیے جاں سے گزرنے والے
راستہ تکتا ہے کس شوق سے بھارت تیرا

اے قضا! چھین لیا تو نے ہمارا رہبر
ٹھیک اس وقت کہ جب اس کی ضرورت تھی سوا

تجھ پہ آزادی کے متوالوں کا سو بار سلام!
پرچمِ ہند کیا تو نے جہاں میں اونچا

پیکرِ امن و اماں تھا تو نشانِ جمہور
اپنے ایثار سے تو زندہ و پائندہ ہوا

اے محبت کے پیمبر، تری عظمت کے حضور
آج شیدائی ترے کرتے ہیں یہ عہدِ وفا

شمع الفت جو جلائی تھی نہ بجھنے دیں گے
اونچا رکھیں گے سدا اپنا ترنگا جھنڈا

***

جنم دن

[شاستری جی کی یاد میں]

(قطعہ)

یارو! جناب لال بہادر کا جنم دن
آؤ منائیں آج محبت سے، شان سے
اونچا کرے گا فتح کے پرچم کو دیکھنا
یہ سورما اٹھا ہے جو ہندوستان سے

★★★

اندھیرے کا چراغ

[شری ونوبا بھاوے کے جنم دن پر]

میرے وطن میں ہوئے وہ رِشی مُنی پیدا
کہ جن کی ذات نے کی تازہ زندگی پیدا

جگایا نغمۂ موہن نے روحِ عالم کو
سنائی نانک و چشتی نے لحنِ حق ہم کو

لیے حیات کا سیلاب، عزم کی آندھی
اسی زمین پہ جاگے مہاتما گاندھی

اسی دیار کا لختِ جگر ہے ایک نہال
اسی زمین کا نورِ نظر جواہر لال

زمینِ ہند پہ کیونکر نہ ہم کو پیار آوے
اسی زمین سے پیدا ہوے نشرؔی بھاوے

ونو باجی نے ہمیشہ ہی دی ہے قربانی
خدا کا شکر کہ ایسا ملا ہمیں گیانی

اسی نے امن و محبت کی دی جہاں کو خبر
اسی نے راہزنوں کو بنا دیا رہبر

مہاتما کے عمل کا اسی میں جلوہ ہے
اسی سے قافلۂ ہند جادہ پیما ہے

وطن کی راہ میں دیکھی کبھی نہ دھوپ نہ چھانو
وطن کے عشق میں پھرتا رہا ہے ننگے پانو

بشر کے پیار میں ڈوبا ہوا ہے یہ انسان
غریب کے لیے کہتا ہے "نمِ کرو بھگوان"

کہاں ہے ایسا کسانوں کا رہنما کوئی
کہاں ہے ایسا غریبوں کا آسرا کوئی

ونوبا بھاوے اندھیرے میں اک اجالا ہے
اسی کے دم سے نیا دور آنے والا ہے

***

فردوسِ نظر

تاج ہند

(کشمیر کی تازہ ترین سیاحت کے تاثرات)

یہی ہے جنت ارضی، یہ وادیٔ کشمیر
جو ضوفگن ہے بلندی پہ کہکشاں کی طرح
یہ برف پوش پہاڑوں کی چوٹیوں کی نمود
چمک رہی ہے جو رخسارِ مہوشاں کی طرح

یہ ڈل کی شام، یہ دلکش چنار کے سایے
یہیں تو صبح کی کرنیں نہانے آتی ہیں
یہیں تو شام کے افسوں میں ڈوب کر آنکھیں
سہانے دن کے فسانے سنانے آتی ہیں

نشاط باغ کے سایے میں آ گیے شاید
کسی کے جسم کی خوشبو سے جاں معطر ہے
نگاہ کیوں نہ کھنچے نخل نقرئی کی طرف
کہ جو بھی شاخ ہے بازوئے سیم دلبر ہے

بلندیوں سے یہ فیضانِ چشمۂ شاہی
فروغ پاتی ہے جس سے حیات جہلم کی
یہیں سے ڈوب کے نکلے ہیں حسن کے تارے
یہیں طلوع ہوئی ہے سحر تبسم کی

نظر فروز ہے شنکر اچاریہ کا سماں
کہ جس کا عکس جھلکتا ہے ڈل کے سینے میں
یہ چاندنی، یہ بلندی، یہ رشحۂ شبنم
شراب جیسے چھلکتی ہے آبگینے میں

یہ پہلگام کی چوٹی شباب و حسن کا تاج
کھڑی ہے جیسے حسینہ کوئی کماں تولے
سکوت وہ کہ ترنم نثار ہو جس پر
وہ گفتگو کہ جو اسرار دو جہاں کھولے

تھمو کہ وادیٔ گلمرگ آ گئی نزدیک
قدم قدم پہ ہے جشنِ بہار کا عالم
یہ ہلکے ہلکے سے بادل، یہ سبزہ گوں قالین
یہیں تو وجد میں آتا ہے پیار کا عالم

یہ باغ نہال کا پیکر کہ جس کے سائے میں
تمام وادیٔ گلنار خواب آلودہ
تمام عصر کے چہرے نمودِ رنگ سے نم
تمام وقت کی آنکھیں شراب آلودہ

خدا کرے کہ یہ سرو و سمن کا گہوارہ
یہ سبزہ زار محبت، یہ سرزمین بہار
ہمیشہ میری نگاہوں میں تابناک رہے
کبھی نہ جائے مرے دل سے اس دیار کا پیار

★★★

کنبھ اور امرت

دیوتاؤں نے سمندر کو کھنگالا اے دوست!
تب کہیں جا کے ملا ہم کو اجالا اے دوست!
بوندیں امرت کی گریں چار جو اس دھرتی پر
ان سے ہردوار بنا اور مقدس پریاگ
کہیں اجین کہیں خطۂ پاکِ ناسک

آج ہردوار وہ منزل ہے کہ جس منزل پر
دکھ سنسار کے مل جاتی ہے مکتی ہم کو
لوگ آتے ہیں یہاں گردِ گنہ ساتھ لیے
لیکن اس خاک کی پاکیزہ ہوا صاف فضا

جسم سے گردِ گنہ دھو کے مٹا دیتی ہے
آتماؤں کے دیے دل میں جگا دیتی ہے
پاک آنند کا یہ چشمہ سا ابلتا ہے یہاں
سکھ کا ساگر سا ہر اک من میں مچلتا ہے یہاں
اپنے پاکیزہ بزرگوں کو، مہاپرشوں کو
اپنے روحانی تمناؤں کے آدرشوں کو
اپنے ماضی کے چمکتے ہوئے سیاروں کو
اپنی جنت کے دمکتے ہوئے نظاروں کو
خاک ہردوار پہ ہم دیکھ کے کھل جاتے ہیں
چشمے ہر گام پہ آنند کے مل جاتے ہیں
یہ وہ دھرتی ہے جہاں لوگ سمٹ آتے ہیں
ان کی پوشاکیں الگ، رنگ مزاج ان کے جدا
ان کی شکلیں بھی الگ، رسم و رواج ان کے جدا
اختلاف اتنے مگر کب ہیں خیالات جدا
ان کے دل ایک ہیں ہوتے نہیں جذبات جدا
جسم کے رنگ کئی، دل کا مگر پیار ہے ایک
فرق رنگوں میں سہی، ہند کا کردار ہے ایک
مختلف رنگوں کو یک رنگ بنا لیتے ہیں
ایک ہو جاتے ہیں گنگا میں نہا لیتے ہیں
کوئی پربت کا ہو باسی کہ نگر کا باسی
من ہے بھارت کی محبت کی ڈگر کا باسی

موجِ گنگا میں جب اشنان کیا ایک ہوئے
غمزدہ روحوں کا کلیان ہوا ایک ہوئے

اس حسیں بزم میں امرت کا پیالہ پی کر
آتماؤں کا یہاں زنگ چھڑا لیتے ہیں
چھو کے سنتوں کے چرن، فخر کے انداز کے ساتھ
آنکھ سورج سے ملاتے ہیں بڑے ناز کے ساتھ
مل ہی جاتا ہے اسی بھیڑ میں اک مردِ خدا
جس کی پاکیزہ نگاہوں سے جھلکتی ہے فضا
جو ہمیں پیکرِ تنویر بنا دیتا ہے
آن میں خاک سے اکسیر بنا دیتا ہے
اپنی نظروں سے وہ برساتا ہے امرت ورشا
اور ہم گیان کی بارش میں نہا لیتے ہیں
اپنے پاکیزہ بزرگوں کی دعا لیتے ہیں
اسی دنیا ہی میں جنت کی ہوا لیتے ہیں
خود شناسی کی یہ منزل ہے اسے اپنا لو
ڈوبتی ناؤ کا ساحل ہے اسے اپنا لو
روح کی، نور کی، محفل ہے اسے اپنا لو
اس کے ہر ذرّے میں اک دل ہے اسے اپنا لو
رکھو آہستہ قدم راہ میں دل بکھرے ہیں
آدمیت کے سبھی رنگ یہاں نکھرے ہیں

کنبھ معراج ہے ہستی کی عزیزو جانو!
کنبھ کرنا ہے تو خود اپنے کو تم پہچانو!
کنبھ ہر بزم میں پنہاں ہے یہ سچ ہے ثابت
متھ کے اس کو جو نکالے دل و جاں کا امرت

ہے یہی گیان، جسے کہتے ہیں خود آبِ حیات
بس گرو ہی سے ملے گا ہمیں عرفانِ صفات
اس کی رحمت سے ملے مستی احساس ابھی
دل کا امرت جو پلائے تو بجھے پیاس ابھی
کنبھ کرنے کے لیے شرن گرو کی جاؤ
اس کے چرنوں کو چھوؤ، اور یہ نعمت پاؤ

یہ زمانہ، یہ لڑائی، یہ جدال اور یہ جنگ
کینہ و بغض کی آندھی، یہ قیامت کی ترنگ
ساری دنیا ہے تباہی کے کنارے یارو!
خون میں ڈوبنے والے ہیں ستارے یارو!

شعلے لہراتے ہیں دھرتی کے نگل لینے کو
جنگ کی آگ مچلتی ہے جلا دینے کو
اس لیے کنبھ کی اس انجمن پاک میں آؤ
آ کے ہر شعلۂ خونخوار کو الفت سے بجھاؤ

اپنا سر مرشدِ کامل کے قدم پر رکھ کر
مئے الفت کا اسی ہاتھ سے لے کر ساغر
مست و سرشار رہیں عشق کی رفعت کے لیے
پھر کوئی کام کریں ہم بشریت کے لیے

لے کے ساقی کی نگاہوں سے محبت کا پیام
گھر کو پلٹیں تو لیے ولولہ و عزم کے جام
ایک بھگوان کا ارمان ہو دلوں میں بیدار
روح ہو نغمۂ وحدت سے ہماری سرشار

دوستو! راہرو! پاک مقدس روحو!
سنت کرپال کے جلووں سے نظر شاد کرو
ان کے انوار سے ہیں مشرق و مغرب روشن
ان کے انوار سے ہر سینے کو آباد کرو

ان کا فرمان ہے تم پیکرِ وحدت میں ڈھلو
ان کا کہنا ہے کہ مذہب کے اصولوں پر چلو
ساری دنیا کے مذاہب کے اصول اچھے ہیں
اپنی پلکوں سے انھیں چن لو یہ پھول اچھے ہیں
آپ کی ذات میں انوار سمٹ آئے ہیں
بزمِ انساں میں یہ فرمانِ خدا لائے ہیں
جیسے شیو جی کی جٹاؤں میں رواں گنگا جی
آپ کے مکھ سے رواں ہے یوں ہی امرت وانی

پیکر نور کے قدموں پہ جھکائیں ہم سر
اور پھر فخر سے دنیا میں اٹھائیں ہم سر
چھو کے ان قدموں کو انساں کو خوشی ملتی ہے
ان کے ملنے سے نجات ابدی ملتی ہے

یہ دعا ہے کہ یہ پاکیزہ مقدس تہوار
ہم کو پاکیزہ کرے نیک بنائے کردار
ساری دنیا کے بزرگوں کی دعا لے کے چلو
نانک و چشتی و گوتم کی ادا لے کے چلو
کرشن و عیسیٰ کی تمنا سے نکھارو جگ کو
اور پیغام محبت سے سنوارو جگ کو

آدمیت کا زمانے میں اجالا ہو جائے
نام انسان کا دنیا میں دوبالا ہو جائے
قلبِ درشن سے یہ نکلی ہے صدا آج کے دن
جس میں شامل ہے ہر اک دل کی دعا آج کے دن

★★★

روحانی مراکز

دولت لازوال

("مانو کیندر" کے ہان نرمانا کے جنم دن کے مبارک موقع پر)

ست گورو جی آپ نے بخشی ہے دولت لازوال
آپ کے ہاتھوں سے انساں کو ملا حسن و جمال

آپ نے بنیاد ڈالی ہے جو "مانو کیندر" کی
اس کا مقصد خدمت انساں ہے اور صدقِ دلی

مرکزِ انسانیت ہوگی یہ روحانی فضا
اس میں انساں سیکھ جائے گا محبت کی ادا

پھول مانو کیندر کا ایسا کھلے گا ایک دن
روح کو آرام دل کو سکھ ملے گا ایک دن

اے خدا اس رہبرِ کامل کو دے عمر دراز
یہ سکھاتا ہے ہمیں شام و سحر جینے کا راز

اپنے فیضِ عام سے جگ میں اجالا کر دیا
بابا ساون سنگھ جی کا بول بالا کر دیا

اس میں بوڑھے لوگ آکر زیست کا سکھ پائیں گے
سنت جی کے مارگ پر چل کر امر ہو جائیں گے

ہوگا اس میں اک شفاخانہ بھی انساں کے لیے
اہلِ درد آئیں گے جس میں اپنے درماں کے لیے

ہوگا اس میں ایسا اک اسکول جس میں بے گماں
پیارے یارو پڑھائی جائے گی ہر اک زباں

زندہ باد اے پیرِ دانائے طریقت زندہ باد
زندہ باد اے رہبرِ راہِ محبت زندہ باد

★★★

مرکزِ اہلِ نظر

[یوم بنیاد گزاری مانو کیندر (۶ فروری ۱۹۷۰ء) ساون آشرم
شکتی نگر، دہلی]

مبارک ہو کہ "مانو کیندر" کی بنیاد پڑتی ہے
یہ "مانو کیندر" دنیا بھر کے انسانوں کا گھر ہو گا

تمیزِ این و آں تم اس جگہ ہرگز نہ پاؤ گے
کہ یہ پیارا بسیرا معبدِ نوعِ بشر ہو گا

یہاں پیشانیاں آ آ کے جھک جائیں گی بندوں کی
کہ اس مرکز کا پروانہ ہر اک اہلِ نظر ہو گا

ہر اک اپنے طریقے سے عبادت کرنے آئے گا
بہم مندر، و مسجد، گردوارہ، گرجا گھر ہو گا

یہاں دیر و حرم والے سبھی مل جل کے بیٹھیں گے
اسی مرکز پہ خم اہلِ کلیسا کا بھی سر ہو گا

یہاں تفریقِ انسانی کی ظلمت آ نہیں سکتی
کہ یہ مرکز تو یارو مرکز نورِ سحر ہو گا

ملے گا اک سکونِ دائمی انسان کے دل کو
یہاں کا عشق جو ہو گا وہ عشق معتبر ہو گا

یہاں پاکیزہ روحوں کا بسیرا ہو گا اب یارو
یہاں ناپاک روحوں کا بھلا کیسے گزر ہو گا

علاجِ دل کرے گا سب کا دل سے مرشدِ کامل
وصالِ روح و خالق اس طرح اب دیدہ ور ہو گا

زمیں کے پھولنے پھلنے کی ہوں گی کوششیں اس جا
یہاں پر خدمتِ انساں کا جذبہ بارور ہو گا

یہاں سامان مہیا ہو گا دکھیوں کی چارہ سازی کا
بڑے بوڑھوں کی خاطر گلشنِ راحت یہ گھر ہو گا
پڑھائی جائیں گی ساری زبانیں اس دبستاں میں
یہ مرکز دیکھ لینا، مرکزِ علم و ہنر ہو گا

جو "نانو کیند" کی تعلیم پھیلے گی زمانے میں
تو عہدِ خیر جاری ہو گا، غائب دورِ شر ہو گا

دعا گو اہلِ دیں جو مشرق و مغرب کے ہیں اس جا
تو "نانو کیندر" کا چرچا ہر اک انساں کے گھر ہو گا

یقیں ہے مجھ کو یہ مرکز بنے گا پیار کا سنگم
سبھی کو دے گا جو سایہ یہ اک ایسا شجر ہو گا

یہ "نانو کیندر" کیا ہے، وقت کی آواز ہے یارو
جو اس میں آئے گا آزاد دکھ سے وہ بشر ہو گا

الٰہی حضرت کرپاں کے سائے میں یہ مسکن
بنے انسانیت کے واسطے اک جانفزا گلشن

★★★

مانو کیندر

ہے مبارک کس قدر دھرتی یہ دہرہ دون کی
جس پہ "مانو کیندر" کی دلکش بنا رکھی گئی

دیکھنا اس مرکزِ انسانیت سے ایک روز
سارے عالم کے لیے چمکے گا نور جانفروز

یہ وہ مرکز ہے مٹا دے گا جو تفریقات کو
دور کر دے گا دلوں سے فرقِ نسل و ذات کو

چشمِ انساں پر پڑے گی شانتی کی وہ پھوار
دھل کے رہ جائے گا ہر دل سے عداوت کا غبار

مانو مندر

یہ تو انساں کی محبت کا عبادت خانہ ہے
جس طرف دیکھو ادھر ہی جلوۂ جانانہ ہے

کوئی مسلم ہو کہ ہندو، سکھ ہو یا عیسائی ہو
مرکزِ وحدت پہ جو آئے وہ بھائی بھائی ہو

مقصد اس مرکز کا یہ ہے ہم محبت کر سکیں
اپنے اپنے دین پر رہ کر عبادت کر سکیں

دید کے قابل یہاں ہوگا یہ روحانی سماں
جب گلے مل جائے گی آوازِ ناقوس و اذاں

خدمتِ خلق

خدمتِ نوعِ بشر ہے اس کا فرضِ اولیں
جو کرے انسان سے نفرت وہ انساں ہی نہیں

بوڑھوں کے لئے آشرم

آ کے بوڑھے بھی رہیں گے اس جگہ آرام سے
لذتیں پائیں گے وہ روحانیت کے جام سے

زندگی کو ایک تازہ حوصلہ مل جائے گا
وقت بیکاری انھیں اک مشغلہ مل جائیگا

ہسپتال

جسم و دل دونوں ہی تو بیمار و افسردہ ہیں آج
اک شفاخانہ بنایا جائے گا بہرِ علاج

تمام زبانوں کا اسکول

اہل دانش علم کا امرت یہاں برسائیں گے
ساری دنیا کی زبانیں لوگ پڑھنے آئیں گے

اس زمیں پر جمع ہوں گے جس جگہ اہل قلم
آدمی سیکھے گا آ کر معنیِ دیر و حرم

کاشتکاری

محنتیں انسان کی رنگ چمن دکھلائیں گی
اس زمیں پر دیکھ لینا کھیتیاں لہرائیں گی

دیکھنا ویرانہ جس جا تھا وہیں گلزار ہے
ہل چلانا دیس کا سب سے بڑا اُپکار ہے

منہمک ہوں گے یہاں علم و عمل کے پاسدار
روح و تن کے کھیت پر آئے گی ساون کی بہار

چل پڑے گی جب ہوا کھیتوں کا چہرہ چوم کے
بالیاں گائیں گی نغمہ شانتی کا جھوم کے

مانسرور

اس زمیں پر موجزن ہے خوشنما اک ایسا تال
جلوہ گر جس میں ہے انوارِ الٰہی کا جمال

موج نورانی اچھل پڑتی ہے جب اس تال کی
چار جانب سے صدا آتی ہے "جے کرپال کی"

معنوی یہ شکل، یہ امرت، یہ مرشد کا جمال
گویا باطن کے سرور کا نمونہ ہے یہ تال

جب نہائیں گے تو دل کی ہر گرہ کھل جائے گی
پاک ہوگا تن، کثافت روح کی دھل جائیگی

اس کے قطرے تشنہ کاموں کے لیے قند و نبات
اس کا پانی سارے عالم کے لیے آبِ حیات

بے لوث خدمت

بعد سیوا کے خود اپنے ہاتھ سے عالی مقام
کھانا سب بچوں کو دیتے ہیں برابر صبح و شام

ست گرو کرپال ہیں اس کیندر کی روح رواں
رات دن کرتے ہیں محنت خود وہ جگ کے باغباں

ہے کرشمہ تیری چشمِ جانفزا کا ساقیا!
جذبہ خدمت ابھارے سیوا داروں کا سدا

سایۂ رحمت میں آکر چھوڑ کر کارِ جہاں
سیوا تن من دھن سے کرنے آ گئے پیر و جواں

کوہ کے دامن میں یہ لنگر کام سیوا کی بہار
آدمی ہیں یا فرشتے ہیں قطار اندر قطار

چار جانب زندگی کی دلکشی چھائی ہوئی
پر سکوں ہو جائے گی ہر روح گھبرائی ہوئی

دوستو چاہت محبت پیار سیوا دیکھئے
لطفِ مرشد سے یہی سیوا ہے میوا دیکھئے

اہل دل کی خدمت پہ ہم سے ہم پر یہ کھلا
کیسے ہوتا ہے عمل سے حق عقیدت کا ادا

کانٹوں یا دلدل سے پُر تھی اونچی نیچی یہ زمیں
سانپ، بچھو کاٹنے کو دوڑتے تھے ہر کہیں

اب وہ دھرتی آج کتنی صاف ہے ہموار ہے
اس پہ مانو کیندر دیکھو آج جلوہ بار ہے

مرحبا! اے روح انساں، مرحبا! جوش عمل
کیا حسیں تو نے کیا تعمیر وحدت کا محل

ہر کلی انساں کے ارمانوں کی کھل جانے کو ہے
ڈھونڈتا ہے دل جسے وہ امن مل جانے کو ہے

خوش ہو دہرہ دون ساون کی گھٹائیں ساتھ ہیں
سنت جی مہاراج کے دل کی دعائیں ساتھ ہیں

ساری دنیا کے دکھوں سے جب بہت گھبرائے گا
آ کے "مانو کیندر" میں انسان سکھ پا جائے گا

خودشناسی سے منور ہوگا ہر دل، ہر دماغ
اس جگہ پائے گا انساں نورِ باری کا چراغ

جلوہ جب اس کیندر کا دیکھیں گے انساں ہوں گے شاد
مرحبا! اے مرشدِ کامل، تو دائم زندہ باد

***

اہنسا بھون کا افتتاح

(اہنسا شودھ پیٹھ[1] اور پستکالیہ کے لیے)

یہ پاک دھرتی اہنسا بھون کی ہے جس پر
ملے ہیں آج محبت کے کارواں سالار

سمٹ کے آگئی ہے آج اس کے دامن میں
حرم کے، دیر و کلیسا کے گلشنوں کی بہار

---

[1] مرکز تحقیق اور کتب خانہ

میں گوردواروں سے لایا ہوں تابناک سحر
بشر کی زندگی تھی کب سے تشنۂ انوار

ہماری چشم محبت جو ہے نم آلودہ
ڈھلے گا آج رُخِ زندگی سے گرد و غبار

اگر بدلتا نہیں ہے تو عشق روحانی
بدلتے رہتے ہیں ہر روز ورنہ لیل و نہار

اسی سے روح کو ملتی ہے لذّت ابدی
یہی ہے سارے زمانے کی شانتی کا مدار

اسے جو حضرت ساون سے خاص نسبت ہے
اہنسا لائبریری ہو گی چشمۂ انوار

ہیں سرپرست منی جی[1] و سنت جی[2] اس کے
بڑھائیں گے دلِ انساں میں جذبۂ بیدار

گزشتہ سنتوں سے ملنا ہے یوں تو ناممکن
مگر پڑھیں گے یہاں سب کے جانفزا افکار

[1] جین منی سوشیل کمار جی [2] سنت کرپال سنگھ جی مہاراج

یہ شُودھ پیٹھ اہنسا کی، سچے دھرم کا گیان
یہیں ملے گی ہمیں وِشو شانتی[1] کی بہار

عیاں یہ ہوگا حقیقت ہے ایک ہی سب کی
ہر ایک بانیِ دیں کی رہی ہے ایک پکار

ہر ایک دھرم کی، مذہب کی روح ایک ہی ہے
ہزار رنگ کے پھولوں سے کھلتے ہیں گلزار

دیا تھا خالقِ عالم نے ہم کو روزِ ازل
خلوص و عشق و محبت کا یہ دلِ بیدار

خدا کا عشق یہ ہے آدمی سے پیار کرو
ہے عشق ہی سے زمانے میں زندگی کی بہار

"گلے[2] لگاؤ ہر انسان کو کہ اپنا ہے
چلو تو راہگزاروں میں بانٹتے ہوئے پیار"

---

[1] عالمی امن

[2] یہ شعر سنت درشن جی کی ایک اور نظم سے ماخوذ ہے۔ جو انھوں نے مہاتما گاندھی کی سمادھی پر لکھی ہے۔

"یہ اتحادِ وطن زندگی کا ضامن ہے
اس اتحاد سے آئے گی دشت و در میں بہار"

دعا یہ ہے کہ وطن کا وقار جاگ اٹھے
بشر کے باغ میں روحِ بہار جاگ اٹھے

★★★

اُدگھاٹن کا گیت

[کرپال آشرم دہلی کا افتتاح ۲۰ نومبر ۱۹۷۷ء]

اے صبا رقص میں آ، جھوم کے چل بادِ چمن
نورِ توحید فضاؤں میں ہوا جلوہ فگن

شاد ہیں اہلِ وفا، کیوں نہ کھلیں دل کے چمن
جگمگائی ہے فضاؤں میں تمنا کی کرن

پینے والوں سے ذرا کہہ دے کوئی آج کے دن
جام چھلکائیں کہ اٹھی ہے گھٹا توبہ شکن

آشرم یہ کہ جو منسوب ہے کرپال کے ساتھ
حضرت پیر نظامی نے کیا ادگھاٹن

نور کرپال سے اس طرح ہے روشن دھرتی
ضو سے خورشید کی جس طرح چمکتا ہو گگن

آشرم ایسا، ہوا پاک، فضا پاک یہاں
سایہ افگن ہے جو ساون کے کرم کا دامن

پیار کے واسطے پر نور بسیرا ہے یہی
اور انساں کے لیے امن و سکوں کا مسکن

آئینہ خانہ ہے ست سنگ کی سچائی کا
جس کے جلوے سے چمک اٹھے گا سب کا تن من

روح کو چین ملے گا تو اسی ڈیرے میں
دور ہو جائے گی اس جا پہ ہر اک دل کی تھکن

اس کا دروازہ ہر اک قوم کی خاطر ہے کھلا
اس کا آنگن ہے ہر اک اہلِ محبت کا وطن

اینٹ پتھر کا یہ گھر خانۂ روحانی ہے
ہو گا اس امن کے میخانے میں قوموں کا ملن

پیر بھی، سنت بھی، سادھو بھی، منی بھی ہیں یہاں
کتنے ہی رنگ کے پھولوں سے سجا ہے گلشن

سنتوں کے حسنِ عمل سے ہی مہک اٹھا ہے
اہلِ دل، اہلِ زمانہ کی تمنا کا یہ چمن

آتما آ کے یہاں جھوم اٹھے، جاگ اٹھے
اس کا پرماتما سے ہوتا ہے اس جا پہ ملن

سنت کرپال مہاراج کی جے ہو یارو
جن کی خوشبو سے معطر ہے ہر اک دل کا چمن

روشنی اور بڑھے، اور بڑھے، اور بڑھے
سنت کرپال کی کرنوں سے جہاں ہو روشن

روحِ انسان کی سکھ پائے، بڑھے میل ملاپ
رات دن میری زباں پر یہ دعا ہے درشن

***

نوائے آزادی

خاندانِ ہمالہ

جباب و موج کی شکلیں جدا جدا ہی سہی
جنونِ عزم میں اک آبشار ہیں ہم لوگ
ہمارے عزم کو کوئی شکست کیا دے گا
کہ ایک سلسلۂ کوہسار ہیں ہم لوگ

دلوں میں جذبۂ بیدار ہے محبت کا
نظر میں صبحِ شعورِ حیات کے انوار
ہوائے عشق فصیلوں سے رُک نہیں سکتی
کہاں نسیم و صبا کے لیے کوئی دیوار

خلوصِ دل بھی وہی، جذبۂ وفا بھی وہی
یقیں کرو کہ سراپائے اعتبار ہیں ہم
خطوطِ وقت کے بٹنے سے دل نہیں بٹتے
کہ اک قبیلۂ ارضی کے رشتہ دار ہیں ہم

***

آہوتی

(جلیاں والا باغ)

پوچھ لو اے ہم نشینو! میرے دل کے داغ سے
کیسا اٹھا تھا دھواں جلیاں والا باغ سے

تند خو شعلے دلوں پر گر رہے تھے دم بدم
جرم یہ تھا ہم نے آزادی کی کھائی تھی قسم

موت آمادہ تھی ہر دیپک بجھانے کے لیے
زندگی بڑھتی تھی اپنا دل جلانے کے لیے

دل جو شمعِ عشقِ آزادی کا اک پروانہ تھا
اس کو ظالم نے بجھانا چاہا، کیا دیوانہ تھا!

زندگی کا دیپ، آئینہ تھا جو مہتاب کا
کیسے بجھ جاتا کہ شامل تھا لہو پنجاب کا

ہائے وہ پنجاب جس کے خونِ تابناک سے
لے کے ضو جاگی سحر ہندوستاں کی خاک سے

آتشِ مغرب نے چاہا تھا کہ جل جائے وہ باغ
جس کے ہر گوشے میں رشیوں نے جلائے تھے چراغ

ہم نے یہ مانا کہ وحشت ناک تھی ظالم کی آگ
لٹ گئیں کتنی ہی گودیں، مٹ گیے کتنے سہاگ

چوڑیاں ٹھنڈی ہوئیں، سونی کلائی ہو گئی
دولتِ جہدِ تمنا بھی پرائی ہو گئی

کون سا تیرِ ستم صیاد نے مارا نہیں
جذبۂ پروازِ آزادی مگر ہارا نہیں

آتشِ جلیاں سے پھوٹی تھی اک روشن کرن
اس کرن کے پھوٹتے ہی جاگ اٹھی صبحِ وطن

زندہ باد اے جذبۂ مردانۂ اہلِ وفا
شعلۂ جلیاں ترے خون نے ٹھنڈا کیا

تو نے بھی آندھی اٹھائی ایسی اے جلیاں کے باغ
رہ گیا گل ہو کے استبدادِ مغرب کا چراغ

جس کے حکمِ ظالمانہ سے یہ قتلِ عام تھا
گرگ خوں آشام تھا سفاک ڈائر نام تھا

بے خطاؤں پر اچانک ظلم ڈھانا بے سبب
اک نہتی قوم پر گولی چلانا بے سبب

کب منیت بخشنے والی تھی آدم خوار کو
وہ بھی پہنچا آخر اپنے کیفرِ کردار کو

سارے انگلستان کو میں کیوں کہوں ہے زشت کام
میری زد میں ہے مگر اس کے تشدد کا نظام

جس نظامِ بد سے رسوا جگ میں انگلستان تھا
دشمنِ جمہوریت تھا، دشمنِ انسان تھا

اے شہیدانِ وطن، تم پر محبت کا سلام
دار پر چڑھ کر دیا تم نے عزائم کا پیام

جل گئے تم آگ میں تو یہ مآلِ کار ہے
آتشِ جلیاں اب ہنستا ہوا گلزار ہے

***

سوادِ منزل

(۱۵ اگست)

ملی ہے منزلِ مقصود کیا بآسانی،
قدم قدم ہمیں دینا پڑی ہے قربانی

اس ایک صبحِ بہاراں کی آرزو کے لیے
تڑپ تڑپ کے گزاری ہے شامِ زندانی

چراغ خوں سے جلانا تھا ہم جلا کے رہے
اگرچہ تند ہواؤں سے تھی پریشانی

قدم قدم پہ گزرنا تھا خارزاروں سے
قدم قدم پہ عزائم نے کی گل افشانی

اگرچہ راہ میں آئے ہزار میخانے
قدم بہک نہ سکے، دل نے کی نگہبانی

ستم زدوں کے دلوں سے ٹپک پڑا جو لہو
ستم گروں کا کلیجہ بھی ہو گیا پانی

کھلا جو پرچمِ آزادیٔ بہارِ وطن
خوشی سے جھوم اٹھا کاروانِ انسانی

عمل کی رزم میں تھے سرفروش راہ نما
دعا کی بزم میں تھے رہبرانِ روحانی

یہ اور بات ہے منزل ملی تو بھول گئے
کہ مانگتا ہے ابھی ملک اور قربانی

غلط ہے گھر کی سجاوٹ پہ مطمئن ہونا
کہ ہم پہ فرض ہے سرحد کی بھی نگہبانی

صدائے امن جو آہر کو عام کرنا ہے
کہ جلد ختم ہو ایٹم کی زہر افشانی

ہر ایک دشت سے آبِ حیات پھوٹ بہے
فضائیں سبز نظر آئیں کھیتیاں دھانی

قدم بڑھاؤ کہ منزل ہے دور ہمسفرو
نہ سمجھو راہ کو منزل، کہ ہے یہ نادانی

ابھی وطن کے لیے کام ہم کو کرنا ہے
کہ پائے امن و مسرت حیاتِ انسانی

نثار ہو گئے کتنے ہی اہلِ دل درشنؔ
بھلا سکے گی یہ دنیا نہ جن کی قربانی

★★★

بھارت ماتا کی پکار

ہمالیہ کی زمین کے عظیم باشندو
تمہارا ذہن ہے روشن بلند ہے کردار

میں تم کو یاد دلا دوں جو تم کو یاد نہ ہو
کہ ان گپھاؤں میں رہتے تھے نور کے مینار

زمین ہند کی مٹی کچھ ایسی مٹی ہے
کہ جس سے حسن پنپتا ہے پھولتا ہے پیار

ہوا ملی اسے سیتاؔ کے پاک آنچل کی
وفائے رامؔ سے بن باس ہوگیا گلزار

انھیں فضاؤں میں گونجی وہ بانسری کی صدا
کہ جس کو سن کے ہر اک دل میں جاگ اٹھا پیار

اسی زمین کے بے نور دشت پر کی ہے
حیاتِ نانکؔ و چشتیؔ نے بارشِ انوار

اسی زمین پہ رشیوں نے یہ بتایا ہے
کہ ایک نوعِ بشر ہے تو ایک ہے سنسار

گلوں کے رنگ میں کچھ اختلاف ہوتے ہیں
ہر ایک پھول کا گہوارہ ہے مگر گلزار

گلوں کو بانٹتے رہتے ہو کیوں قبیلوں میں
بناؤ گوندھ کے ان کو محبتوں کے ہار

وہ دیر ہو، کہ حرم ہو، کہ گوردوارہ ہو
اسی کی جلوہ گہہ ناز ہیں یہ سب دربار

وہ نغمۂ دکنی ہو کہ لحن کشمیری
ملے گی ساز کے تاروں میں ایک ہی جھنکار

کتھک کا رقص ہو یا ناچ ہو منی پوری
ہر ایک رقص میں ہے فطرت وطن کا نکھار

وہ نظم ہو کہ ڈرامہ ہو یا کہ افسانہ
رواں دواں ہیں ہر ایک صنف میں وہی افکار

اٹھو اور اٹھ کے جہادِ عمل کی سمت بڑھو
یہی ہے مادرِ ہندوستاں کے دل کی پکار

ہے ڈر یہی کہ اگر ہند کا یہ حال رہا
تمہارے عزم کے چہرے پہ جم نہ جائے غبار

کمند پھینکنا ہے تم کو چاند تاروں پر
پڑے ہو خاک پہ، دل میں نہ آرزو نہ ابھار

جھگڑتے رہتے ہو تم چھوٹی چھوٹی باتوں پر
اُدھر وہ تاروں سے آگے نکل گیا سنسار

بناؤ قافلۂ وحدتِ جہاں بلشر
تمھارا عزم تمھارا ہے قافلہ سالار

ہر آدمی ہے خدا کی عزیز تر مخلوق
ہر ایک عکس خدا کا ہے آئینہ بردار

جو چاہتے ہو کہ ہو رام راج بھارت میں
تو چھوت چھات کی توڑو یہ آہنی دیوار

پڑے ہوئے ہو اندھیروں میں تم کو کیا معلوم
تلاش کرنے سے ملتے ہیں صبح کے آثار

خرد تو سوئی ہوئی ہے اسے جگانا کیا
پکارنا ہے تو جاگے ہوئے جنوں کو پکار

جنونِ عشق کی تلوار تھام ہاتھوں میں
جو چاہتا ہے کہ بیڑا ہو ملک و قوم کا پار

جنوں کا جذبۂ سوزاں نہیں جو سینوں میں
تو کھوکھلا ہے یہ نعرہ، یہ گفتگو بے کار

ہر ایک فردِ وطن کو گلے لگاؤ تم
ہر ایک دل میں جگادو نئی حیات کا پیار

امینِ وارث و تلسی ہو، پیار بھول گئے
مطیعِ گوتم و عیسیٰ ہو، کیا ہوا کردار

طلسمِ جسم کی رنگینیوں میں ڈوب گئے
کبھی تھے دانش و عرفاں کے تم علم بردار

خطا معاف، ذرا تلخ ہو گیا لہجہ
مگر کروں بھی تو کیا میں فضا ہے دل آزار

میں چاہتا ہوں کہ انسانیت کا چرچہ ہو
میں چاہتا ہوں چلے معرفت کا کاروبار

میں چاہتا ہوں، دکانوں سے دل خریدے جائیں
میں چاہتا ہوں محبت کا گرم ہو بازار

میں چاہتا ہوں کہ رشتوں کی قدر کی جائے
میں چاہتا ہوں کہ روحانیت کا ہو اقرار

میں چاہتا ہوں کہ پربت کی یہ عظیم زمیں
پھر اپنے عہدِ گزشتہ کی طرح ہو بیدار

میں چاہتا ہوں کہ وحدت کا بول بالا ہو
گلی گلی میں ہو انسانیت کی جے جے کار

★★★

عزمِ نو

نجانے کتنے دلوں نے لہو اچھالا ہے
سحر نے چہرہ اندھیرے سے تب نکالا ہے
یہی سحر تو امانت ہے خاکِ آدم کی
اسی سحر کو تو سینے سے ہم لگاتے ہیں
اسی سحر سے تو ملتا ہے اس سحر کا نشان
جو پیارے ہند کے ماضی میں جگمگاتی تھی
دلوں کے تاروں کے سایے تلے ملاتی تھی
وفائے رام کی خوشبو سے تن مہکتا تھا

فضا میں نغمۂ موہن سے پھوٹتی تھی کرن
حیات نغمۂ گوتم سے رقص کرتی تھی
بسا ہوا تھا فضاؤں میں جذبۂ یکجہتی
نوائے الفتِ نانک سے دل دھڑکتے تھے
حیات ملتی تھی ایسی گورو کی بانی سے
بشر کے چہرے چمکتے تھے شادمانی سے
غموں کی گرد کہاں تھی بشر کے ماتھے پر
ہر ایک چہرہ مسرت سے جگمگاتا تھا
لگا کے خاک بزرگوں کے پاک قدموں کی
نظر ہر ایک مہہ و مہر سے ملاتا تھا
خوشی کی دھوپ سے سونا بنی ہوئی تھی زمین
روپہلا فرش بچھاتی تھیں چاندنی راتیں
دلوں کو چھیڑتی بادِ صبا گزرتی تھی
دیئے جلائے چمن سے ہوا گزرتی تھی

مگر وہ پیار، وہ الفت، وہ عہد، خواب ہوا
نہ جانے کس کی نظر لگ گئی زمانے کو
نہ جانے کیوں مری دھرتی کا رنگ اتر سا گیا
شباب و حسن کے گیسو بکھر بکھر سے گئے

اگرچہ تلخ نوائی نہیں شعار اپنا

خطا معاف! ہمیں نے یہ مانگ اجاڑی ہے
بنا کے حسن کی تصویر خود بگاڑی ہے
ہمارے ہاتھ ہیں مجرم، اٹھاؤ چوب سزا
سزا کے درد سے کچھ دن کراہنا تو پڑے
کہ ہم جو نوعِ بشر کے امینِ راحت ہیں
کہ ہم جو قافلۂ عاشقی کے رہبر ہیں
کہ ہم جو دیپ جلاتے ہیں شب کی راہوں میں
کہ ہم جو خاکِ وطن کی سحر کے ضامن ہیں
نئی حیات کا جشنِ بہار بھول گئے
ہم اپنے پاک بزرگوں کا پیار بھول گئے

وہاں بزرگ جلاتے تھے دیپ غاروں میں
یہاں چراغ سرِ انجمن جلا نہ سکے
اٹھو کہ وقت گیا ہے مگر گیا بھی نہیں
بڑھو کہ گردشِ دوراں کو روکنا ہوگا
ہمارا گلشنِ الفت جو کر رہا ہے تباہ
درِ چمن پہ اسے بڑھ کے روکنا ہوگا
یہ پھول گلشنِ جمہور کی امانت ہیں

تمہیں خبر نہیں شاید کہ اس گلستاں کو
ہزار بجلیاں تکتی ہیں چار جانب سے

چمن کو برق و شـرر سے بچا کے اہلِ چمن
نئی سحر کی فضـا میں اتار نا ہو گا
ہر ایک پھول کے ماتھے پر جم گیا ہے غبـار
ہر ایک پھول کا ماتھا نکھـار نا ہو گا

بشر جو دردِ بشـر سے ہے آج بیگانہ
اسے جگانے کی خاطر پکار نا ہو گا
مجال کس کی ہے جو قتل کر دے ماضی کو
اسی سے حال کا پیکر سنوار نا ہو گا
فضا میں جذبۂ روحانیت رچا دیں گے
وطن میں پریم کی بو، باس ہم بسا دیں گے
بشر کا جذبۂ ایثار ہم جگا دیں گے
وطن کے واسطے ہم اپنی جاں لٹا دیں گے
ہر اک بشر کو گلے سے لگا کے چھوڑیں گے
یہ دل جو روٹھ گئے ہیں منا کے چھوڑیں گے
دلوں کو پھول کی صورت کھلا کے چھوڑیں گے
دیا جو بجھنے لگا تھا جلا کے چھوڑیں گے
ہم اس زمین کو سورج بنا کے چھوڑیں گے
قدم ملا کے ستاروں پہ جا کے چھوڑیں گے
وطن کے نام کو اونچا اٹھا کے چھوڑیں گے

ہمارا عزم، ہمارا شباب، زندہ باد
نئی جہان، نیا انقلاب زندہ باد

***

ہند کا پیغام

سرزمین چشتیؔ و نانکؔ کا باشندہ ہوں میں
میری فطرت میں محبت کے سوا کچھ بھی نہیں
میرے شیشے سے نہ مانگو جنگ و نفرت کی شراب
میرے شیشے میں تو الفت کے سوا کچھ بھی نہیں

سرزمین موہنؔ و گوتمؔ کا باشندہ ہوں میں
میرے ہونٹوں پر ہے بس چاہت کی دھن چاہت کی لے
تحفۂ دل پیش کرتا ہوں تو ٹھکراتے ہو کیوں؟
تحفۂ دل سے بھی ہے بڑھ کر کوئی انمول شے؟

مادرِ ہندوستاں کی گود کا پالا ہوں میں
امن کا عاشق بھی ہوں، انساں کا غمخوار بھی
ہاتھ میرے امن والفت کے امانت دار ہیں
امن والفت پھول بھی ہیں اور اُپی تلوار بھی

★★★

سچائی کی آواز

(یہ نظم آل انڈیا ریڈیو سے نشر کی گئی)

ہندوستاں کے لوگ ہیں دنیا کے دردمند
الفت انھیں عزیز ہے جرأت انھیں پسند
ہم چاہتے ہیں امن کا پرچم رہے بلند

یہ کرشن کا دیار ہے گوتم کی سرزمین
چمکا یہیں پہ نانک و چشتی کا مہر دین
مذہب جدا جدا ہیں مگر ایک ہے یقین

اپنا اصول سارے مذاہب کا احترام
اس میکدے میں بٹتا ہے بس ایکتا کا جام
جمہوریت نظام ہے اور شانتی پیام

★★★

جاں نثارانِ وطن کا خیر مقدم

جاں نثارانِ وطن آج یہاں آئے ہیں
عاشقِ دار و رسن آج یہاں آئے ہیں

بسمل و اشفاق[1] کے جذبات ان کے دل میں ہیں
کیا بتائیں کتنے طوفان دامنِ ساحل میں ہیں

---

[1] شہیدِ آزادی رام پرشاد بسمل اور اشفاق اللہ خاں

جشنِ آزادی کی خاطر رہ چکے ہیں یہ اُداس
شیکھرِ آزاد[1] کا جوشِ جنوں ہے ان کے پاس

وہ شہید قوم، سرتاجِ وطن، یعنی بھگت[2]
جس کے خونِ پاک سے روشن ہے یہ اپنا جگت

سب کے دل کی دھڑکنیں یہ ساتھ لے کر آئے ہیں
احترام ان کا کرو، ماضی کے رہبر آئے ہیں

نقشِ قربانی کو یہ دنیا مٹا سکتی نہیں
کوئی زندہ قوم ماضی کو بھلا سکتی نہیں

یہ شہیدانِ وطن کے ہیں عزیز باوقار
ان کی قربانی سے آئی ہے گلستاں میں بہار

ملک اب آزاد ہے لیکن اہم ہے یہ سوال
ہم سنواریں کیسے آزادی کے گلشن کا جمال

---

[1] چندر شیکھر آزاد
[2] سردار بھگت سنگھ

جذبۂ بیدار قومی جگمگانا چاہیئے
ہند کے جمہور کو آگے بڑھانا چاہیے

ہند کی جمہوریت اک امن کا عرفان ہے
ہند کی جمہوریت سارے جہاں کی جان ہے

آؤ کیفِ تازہ دل کو دیں ہم ان کے جام سے
کارواں کو پھر کریں بیدار ان کے نام سے

ان کے دل کی دھڑکنوں سے لیں تمنائے شباب
ان کی اک اک سانس سے آتی ہے بوئے انقلاب

بجھ نہیں سکتے کبھی، آتش فشاں ہیں ان کے دل
ہیں تو یہ بوڑھے مگر اب تک جواں ہیں ان کے دل

جذبۂ سرشارِ قومی، روحِ خدمت زندہ باد
زندہ باد اے رہبرانِ ملک و ملت زندہ باد

زندہ رہو جوانو!

زندہ رہو جوانو ! زندہ رہو جوانو !
سانچے میں حوصلے کے ڈھالے ہوئے جوانو
کٹھنائیوں کو دیکھے بھالے ہوئے جوانو !
بھارت کی ویرتا ہیں پالے ہوئے جوانو !

زندہ رہو جوانو ! زندہ رہو جوانو !

میداں میں آج تم نے وہ کام کر دیا ہے
پیغام، امن و راحت کا عام کر دیا ہے
اونچا جہاں میں بھارت کا نام کر دیا ہے
زندہ رہو جوانو! زندہ رہو جوانو!

تم نے بہادری سے ہر مورچے کو مارا
اپنے لہو سے بھارت کی آن کو نکھارا
تم نے لڑائی جیتی، دشمن تمہارا ہارا
زندہ رہو جوانو! زندہ رہو جوانو!

تم دیش کے محافظ آدرش کے نگہباں
تم باوفا سپاہی، تم لاجواب انساں
جیتا تمہیں نے آخر، بڑھ کر ہر ایک میداں
زندہ رہو جوانو! زندہ رہو جوانو!

اے ہند کے سپوتو! کیا بات ہے تمہاری
تصویر تم نے جگ میں انصاف کی نکھاری
انسانیت کی خاطر کی جنگ کتنی پیاری

زندہ رہو جوانو! زندہ رہو جوانو!

تم کو جو بے گناہوں کے خون نے پکارا
آواز دے رہی تھی گنگا کی نیل دھارا
مظلوم، بیکسوں کو جا کر دیا سہارا
زندہ رہو جوانو! زندہ رہو جوانو!

ہندوستان کیا ہے امن و امان کی جنت
اس کی گلی گلی میں، بکھری ہوئی محبت
جمہوریت نے اس کو دی بے مثال طاقت
زندہ رہو جوانو! زندہ رہو جوانو!

جوہر بہادری کا رن میں نیا دکھایا
آگے قدم بڑھایا، جو بھی قدم بڑھایا
سارے جہاں کو تم نے پیغام حق سنایا
زندہ رہو جوانو! زندہ رہو جوانو!

ہر لب پہ ایک نغمہ، نغمے کی ایک لَے ہے
ہے قوم ایک ساری، آدرش کی وجے ہے
ہر اک زباں پہ بھارت ماتا کی آج جے ہے
زندہ رہو جوانو! زندہ رہو جوانو!

★★★

بڑھو جوانو !

بڑھو جوانو !

بن جاؤ طوفان جوانو !
تم بھارت کی آن جوانو !
تم دھرتی کی جان جوانو !
ہے تم پر قربان جوانو !
سارا ہندوستان جوانو !
بڑھو جوانو !

تم دھرتی کے چاند ستارے
بھارت ماں کی آنکھ کے تارے
سارے ہندوستان کے پیارے
بھارت جیتے دشمن ہارے
کل جنتا ہے ساتھ تمہارے
بڑھو جوانو !
بڑھو جوانو !

رن میں تم نے دھاک جمائی
جیت لی ہے گھمسان لڑائی
ساتھ تمہارے ۔ سارے بھائی
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی
شامت اب دشمن کی آئی
بڑھو جوانو !
بڑھو جوانو !

ٹیپو کا ارمان تمھیں ہو
شیواجی کی آن تمھیں ہو
ابھمینو کی شان تمہیں ہو
ارجن کی سنتان تمہیں ہو
امر ہوں جو انسان تمہیں ہو
بڑھو جوانو !

بھارت کو پر نام کرو تم
یودھاؤں کا کام کرو تم
جگ میں روشن نام کرو تم
جیون کا سنگرام کرو تم
شترؤں کو رام کرو تم

بڑھو جوانو!
بڑھو جوانو!

چل اے ساتھی

اٹھ اے ساتھی چل اے ساتھی

تھک تو گئے ہیں چلتے چلتے
گرد ہیں اٹتے ملتے دلتے
دیپ سحر تک جا پہنچیں گے
جلتے، بجھتے، بجھتے، جلتے
اٹھ اے ساتھی، چل اے ساتھی

ذکرِ بتوں ہو، ذکرِ وفا ہو
کچھ تو رنگیں دل کی فضا ہو
آج ہی دل کا دیپ جلائیں
کل کیا جانے کیسی [illegible] ہو
اٹھ اے ساتھی، چل اے ساتھی

راہوں میں ہیں کتنے اندھیرے
بازاروں میں ہیرے پھیرے
اِس نے لوٹا، اُس نے لوٹا
ایک مسافر لاکھ لٹیرے
اٹھ اے ساتھی، چل اے ساتھی

راہوں میں بیزار کھڑے ہیں
اِس سے لڑے ہیں اُس سے لڑے ہیں
چھوٹی چھوٹی بات پہ جھگڑیں
کہنے کو ہم لوگ بڑے ہیں
اٹھ اے ساتھی چل اے ساتھی

دل کا شیشہ چھوٹ گیا کیا؟
پیار کا رشتہ ٹوٹ گیا کیا؟
ہاتھ گریبانوں پر کیوں ہیں
ان کا دامن چھوٹ گیا کیا؟

اٹھ اے ساتھی، چل اے ساتھی

یہ دکھ دل کی مات نہیں ہے
مایوسی کی بات نہیں ہے
کٹ نہ سکے جو کاٹے ساتھی
اتنی لمبی رات نہیں ہے
اٹھ اے ساتھی، چل اے ساتھی

تھوڑے تھوڑے زخم سلے ہیں
کانٹوں میں کچھ پھول کھلے ہیں
میرے جنوں کو، میری نظر کو
منزل کے آثار ملے ہیں
اٹھ اے ساتھی، چل اے ساتھی

پربت، آندھی دیکھ رہا ہے
طوفان، کشتی دیکھ رہا ہے
جمنا تٹ سے آس لگائے
بوڑھا مانجھی دیکھ رہا ہے

اٹھ اے ساتھی، چل اے ساتھی

ہستی اپنی بھیک نہیں ہے
دکھ سے ڈرنا ٹھیک نہیں ہے
آج کا دن تاریک ہے درشن
کل کا دن تاریک نہیں ہے
اٹھو اے ساتھی، چل اے ساتھی

***

نغمۂ وطن

قطعات

(۱)

جانثارانِ چمن تم پر سلام
عاشقانِ صف شکن تم پر سلام
جان دے کر جاوداں تم ہو گئے
اے شہیدانِ وطن تم پر سلام

(۲)

ہماری آنکھ گنگا ہے ہمارا دل ہمالہ ہے
درڑھ وشواس سے ہی اپنی بھارت میں اجالا ہے
ہمارا دل دھڑکتا ہے تو سب محسوس کرتے ہیں
مہاساگر میں ہندوستاں کے طوفان آنے والا ہے

(۳)

کچھ گردش دوراں سے شکایت نہیں ہم کو
ہم خود ہی علاج غم دوراں نہیں کرتے
واعظ یہ ترا طرز سخن تجھ کو مبارک
میخوار، دل آزاری انساں نہیں کرتے

(۴)

دل شراب جلوۂ ساقی کا پیالہ ہو گیا
چاند نکھرا آسماں سے دور ہالہ ہو گیا
زندگی میری نہیں محتاجِ فانوس و چراغ
شام غم جب یاد آئے تم، اجالا ہو گیا

(۵)

طوفانوں سے بے پروا ہو کر بھارت کا سفینہ آتا ہے
فوجوں کا کلیجا ہلتا ہے، دشمن کو پسینہ آتا ہے
مردان وطن عزت کے لیے تیار کھڑے ہیں مرنے کو
مطلب یہ ہوا اس مرنے کا، بھارت کو بھی جینا آتا ہے

(۶)

ہمارا خون گنگا ہے ہمارا دل ہمالہ ہے
ہمارے عزم سے ہستی کے میداں میں اجالا ہے
ہمارا دل دھڑکتا ہے تو سب محسوس کرتے ہیں
کہ بحرِ ہند میں طوفان کوئی آنے والا ہے

(۷)

بھلا دینے کو وہ کب وعدۂ فردا نہیں کرتے
قیامت کب ہمارے واسطے برپا نہیں کرتے
جنھیں کچھ حوصلہ ہوتا ہے دل میں جانثاری کا
وہ سر خنجر پہ رکھ دیتے ہیں منہ دیکھا نہیں کرتے

(۸)

درشتی مری سرشت کو پہچانتے ہیں لوگ
مجھ کو وفا پرستوں میں گردانتے ہیں لوگ
لیکن وطن کی آن پہ آئے جو کوئی آنچ
میں سرفروش قوم ہوں یہ مانتے ہیں لوگ

(۹)

ہر چند انتشار مجھے ناپسند ہے
ہوں اہلِ دل سرشت مری دردمند ہے
لیکن کوئی جھکائے تو ہوتا ہوں سربلند
اتنا بلند جتنا ہمالہ بلند ہے

★★★

شعر و سخن کے راز داں

شہنشاہِ سخن : غالبؔ

بیاں کیا وصف غالبؔ ہو کہ غالبؔ — فروغ آفتاب فکر و فن تھا
ہجوم رنج و غم میں نیشہ کاری — غزل تھی بے ستوں وہ کوہکن تھا
اسے حاجت نہ تھی سیر چمن کی — کہ اپنی ذات سے وہ خود چمن تھا
غزل دیکھو تو یہ ہوتا ہے معلوم — دھنک تھا، شمع تھا، گل تھا، کرن تھا
نوائے شبنم آلودہ میں اس کی — خلوص جذبۂ گنگ و جمن تھا
قد و گیسو کی رکھتا تھا تمنّا — کچھ ایسا عاشق دار و رسن تھا
بنائے تازہ ڈالی فکر و فن کی — عجب اک صاحب طرز سخن تھا

نہ تھا رشتہ کوئی دیر و حرم سے　　مگر ممدوحِ شیخ و برہمن تھا
اتر جاتی تھی دل میں بات اس کی　　وہ ایسا شاعرِ جادو سخن تھا
خیال اس کا نشاط انگیز حکمت　　دماغ اس کا تفکر پیرہن تھا
خبر رکھتا تھا سرِ رنگ و بو کی　　وہ ایسا محرمِ سرو سمن تھا
نقوشِ جاوداں اس نے تراشے　　وہ کہسارِ ادب کا تیشہ زن تھا
رئیسِ نغمہ سنجانِ بہاراں　　امیرِ خوش نوایانِ چمن تھا
جہاں گیری تھی اس کی گوشہ گیری　　وہ تھا خلوت میں لیکن انجمن تھا
غزل کے نغمۂ دلکش سے غالب　　دلِ عشاق پر ناوک فگن تھا

میسر اب کہاں دنیا کو درشنؔ
وہ غالب جو شہنشاہِ سخن تھا

★★★

نذرانۂ عقیدت

[بیادِ استاذ محترم حضرت شمیم کرہانی]

تھا شمیمِ نکتہ داں خوش خلق، خوش دل، نیک خو
اس نے ہر ظلمت میں کی صبحِ وفا کی جستجو

لالہ و گل کا تبسم اس کے شعروں سے عیاں
"برق و باراں"[1] کا تلاطم اس کے نغموں میں نہاں

"برق و باراں"، ہی کی حاجت تھی سخن کے واسطے
"برق"، شاہی کے لیے "باراں" وطن کے واسطے

---

[1] مجموعہ کلام

دیکھ لی اس نے غلامی کی سیاہی میں سحر
اس لیے آیا اندھیرا بھی اسے روشن نظر

نغمے وہ گائے شبِ غم کا سویرا ہو گیا
عزم یوں محکم رہا "روشن[1] اندھیرا" ہو گیا

اور جب ہندوستاں کو صبحِ دلشادی ملی
مسکرانے کے لیے پھولوں کو آزادی ملی

خندۂ صبحِ بہاراں، جامِ مُل آیا نظر
اُس لبِ شعر آفریں پر "عکسِ[2] گُل" آیا نظر

حاصلِ عرفان و مستی اس کا "حرفِ[3] نیم شب"
وجد میں آتے ہیں جس کو پڑھ کے خاص و عام سب

اس کی تخئیل جواں میں رفعتِ کوہ و دمن
اس کے افکارِ حسیں میں جلوۂ گنگ و جمن

[1] دوسرا مجموعۂ کلام
[2] تیسرا مجموعۂ کلام
[3] مجموعۂ غزلیات

یوں تو ہر اک دل وطن کے عشق سے لبریز تھا
اس کے مینا میں یہ بادہ اور بھی کچھ تیز تھا

تھا وہ شیدائے وفا، اخلاص کا دیوانہ تھا
اس کا دل مہر و محبت کا عبادت خانہ تھا

خوبیٔ قسمت سے پائی وہ شریکِ زندگی
جو مجسم غم گساری تھی، سراپا دلدہی

جذبِ الفت ہم نوا و ہم سخن ایسا تو ہو
دہر میں دو پاک روحوں کا ملن ایسا تو ہو

ٹوٹتا اس کے سخن سے کیوں کسی کے دل کا جام
وہ خیالِ خاطرِ احباب رکھتا تھا مدام

صلح کل پیغام اس کا آشتی اس کی نوا
اس کا دل تھا وحدتِ دیر و حرم سے آشنا

شمع مسجد تھی کہ مندر کا چراغ شام تھا
ہر دیئے سے روشنی لینا اسی کا کام تھا

باوجود علم و دانش خاکساری اس قدر
سرخمیدہ ہی رہا کرتی ہے شاخِ بارور

روز و شب محوِ سخن ہنگامہ آرائی سے دور
وہ رہا کرتا تھا تنہائی میں تنہائی سے دور

اس نے یہ چاہا نہ پڑنے پائے دنیا کی نظر
چھپ کے رہ سکتا نہیں لیکن تہہ دریا گہر

اعتراف[1] "عکسِ گل" انصاف کا پیغام تھا
یوں تو اس کا فن ہی اس کے فن کا خود انعام تھا

بندۂ مولا علیؑ تھا، صاحبِ ایماں تھا وہ
لوگ کہتے تھے فرشتہ تھا کہ اک انساں تھا وہ

وہ مرا استاد، میرا ہم نوا، بندہ نواز
جس نے مجھ پر وا کیے شعر و سخن کے لاکھ راز

---

[1] شعری مجموعہ "عکسِ گل" پر اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ کے عطا کردہ انعام کی طرف اشارہ ہے۔

واقفِ اسرارِ دل، رمز آشنائے شعر و فن
زمزمہ اس کا تھا افکار و معانی کا چمن

اس کی بزم آرائیاں تھیں اک طلسم رنگ و بُو
دل نشین و دل نواز و دل رُبا ہر گفتگو

ہے رضاؔ[1] افسردہ خاطر اور آزردہ خمارؔ[2]
رنج میں استاد کی ہیں سب کی آنکھیں اشک بار

ہے لبوں پہ درشنؔ و جاویدؔ[3] کے اس کا ہی ذکر
فکر میں ڈوبا ہوا ہے "حلقۂ اربابِ فکر"

شفقتِ والد کو کیا سلمانؔ و عابدؔ اور مرادؔ
بھول سکتے ہیں کہیں، رکھیں گے ساری عمر یاد

ہو اسد ادرشنؔ میسّر اس کو جنت کی نسیم
نکہت افشاں سارے عالم میں ہوں افکارِ شمیم

***

---

[1]، [2] و [3] رضاؔ و خمارؔ اور جاویدؔ، شمیمؔ کے شاگرد تھے

تلوک چند محرومؔ

ہند کو مخزنِ اسرار ملا آج کے دن
یعنی محرومؔ سا فن کار ملا آج کے دن

فن کے کتنے ہی نئے نقش ابھارے جس نے
قصرِ اردو کو وہ معمار ملا آج کے دن

ملک نے گرمیِ گفتار کی لذت پائی
قوم کو جذبۂ بیدار ملا آج کے دن

عہدِ نو ہستیِ محروم سے تابندہ ہوا
وقت کو مطلعِ انوار ملا آج کے دن

جس کے اخلاق پہ سب فخر کیا کرتے ہیں
ہم کو وہ صاحبِ کردار ملا آج کے دن

بستۂ اہلِ وفا کے لیے بخشا گیا دل
اور دل کے لیے دلدار ملا آج کے دن

اپنے اشعار سے بھارت کو جگایا جس نے
وہ جواں فکر فسوں کار ملا آج کے دن

اک نیارا ہنما صنفِ غزل نے پایا
نظم کو قافلہ سالار ملا آج کے دن

ذاتِ محروم کی تھی مستیِ الفت کی امین
ہم کو یہ ساقیِ غمخوار ملا آج کے دن

آدمیت کا پرستار کہاں ملتا ہے
آدمیت کا پرستار ملا آج کے دن

روحِ درشن کی مسرت کا بیاں کیا کیجئے
اس کی الفت کا خریدار ملا آج کے دن

★★★

بیادِ محرومؔ

فن میں یکتا تھے حضرتِ محرومؔ
ان کو اسرارِ شعر تھے معلوم

نثر رنگیں تو گفتگو سادہ
شعر دلکش، تو دل نشیں مفہوم

ایک اک لفظ جاں پہ ہے تحریر
ایک اک حرف دل پہ ہے مرقوم

ان کے رنج فراق سے اے دل
ہو گئی بزمِ علم و فن مغموم

دکھ اٹھا کر بھی لطف کرتے تھے
ذی مروت تھے کس قدر مرحوم

پیش کرتے تھے اپنے شعروں میں
داستانِ غمِ دلِ مغموم

صورتاً جیسے اک فرشتۂ غیب
فطرتاً جیسے طفلک معصوم

اپنے کردار سے جمائی دھاک
اپنے افکار سے مچائی دھوم

ان کی شیریں نوائیاں نہ گئیں
گو چمن کی ہوا رہی مسموم

تشنہ کامانِ آگہی کے لیے
تھے وہ سرچشمۂ فنون و علوم

شعراء کے لیے تھے وہ ممدوح
ادبا کے لیے تھے وہ مخدوم

عشق ہے قدر جاوداں ورنہ
آرزو خواب ، زندگی موہوم

ان کی سیرت ہے زندۂ جاوید
جسم ہر چند ہو گیا معدوم

ایک عہد عظیم ختم ہوا
یہ حقیقت کسی کو کیا معلوم؟

شاعر ہند ہو گیا رخصت
ہائے اردو زباں ترا مقسوم

★★★

تیوہار
اور
تقریبات

دیوالی

وطن کا چراغ

جھلملائے نہ انجمن کا چراغ
مسکراتا رہے وطن کا چراغ
ہم دوالی منائیں مل جل کر
جگمگاتا رہے وطن کا چراغ

روشنی کے سلسلے

رخ پہ تیرے گل کی لالی ہی رہے
ہر طرف رنگ دوالی ہی رہے
بڑھتے جائیں روشنی کے سلسلے
تیری یہ دنیا اجالی ہی رہے

سنہرا یگ

جیون کا ہر پل ہو سنہرا
پگ پگ پر ناچے خوشحالی
اپنے پیارے دیش میں درشن
دن ہولی ہو رات دوالی

دوالی کا نکھار

صبح عبیری ، شام گلالی
آنگن میں ناچے خوشحالی
تیرے لیے درشن کی دعا ہے
دن ہولی ہو رات دوالی

آشتی کا چراغ

قدم قدم پہ منور ہیں زندگی کے چراغ
ڈگر ڈگر میں درخشاں ہیں سرخوشی کے چراغ
خدا کرے کہ اسی طرح میری دھرتی پر
ہر ایک شام جلیں امن و آشتی کے چراغ

شامِ محبت

کسی سے شامِ محبت کی بات ہوتی ہے
نظر نظر میں دلوں کی برات ہوتی ہے
ملن کی رات کا کیا ذکر کیجئے درشن
وہ رات جیسے دِوالی کی رات ہوتی ہے

آشا کی دیپ مالا

ہاتھوں میں سب کے چھلکے ہردم خوشی کا پیالا
آنگن میں سب کے اترے آکاش کا اجالا
درشن کی یہ دعا ہے ہر شام سب کی خاطر
جیون میں جگمگائے آشا کی دیپ مالا

لکشمی کے قدم

ہر ایک گوشے میں خوش حالی چھیڑا ہے سرگم
ہو آنچلوں میں رو پہلی حیات کی چھم چھم
دعا یہ ہے کہ چراغاں ہو تیری راتوں میں
ہمیشہ آئیں تیرے گھر میں لکشمی کے قدم

دعا

ہوائیں رنگ اچھالو فضا میں رنگ بھرو
خوشی کی بزم میں جام شراب بن کے ڈھلو
دعا یہ ہے کہ دوالی کی شام کی مانند
قدم قدم پہ جلاتے ہوئے چراغ چلو

نورانی آنکھیں

ہوائیں چل رہی ہیں روح افزا میرے گلشن کی
چمک جاتی ہے تا عرش معلیٰ دل کے درپن کی
دوالی کے مقدس دیپ دل میں جگمگاتے ہیں
کہ جیسے نور سے لبریز آنکھیں بابا ساون کی

★★★

پیامِ عید

دوستو! عید کا دن ہے وہ نئے پیار کا دن
جو محبت کے شگوفوں کو کھلا دیتا ہے
دور کر دیتا ہے نفرت کو دلوں سے یکسر
اور بچھڑے ہوئے انساں کو ملا دیتا ہے

ایک ہی بار تو آتا ہے یہ دن سال کے بعد
آؤ ہم تم بھی کسی گل کی طرح کھل جائیں
بھول جائیں کہ کسی بات پہ روٹھے تھے کبھی
پیار کے ساتھ بڑھیں اور گلے مل جائیں

بس گلے ملنا ہی حاصل نہیں دلداری کا
روح سے روح ملے لطف تو جب آتا ہے
میں نے دیکھا ہے کہ دنیا میں دلوں کا سنگم
ملک اور قوم کی تقدیر کو چمکاتا ہے

یہ مرا ہند، یہ جمہور محبت کا چمن
متحد ہو کے ہنسے گا تو بہار آئے گی
ایک پتی بھی جو اس باغ کی غمگین ہو گی
تو فضا گل کدۂ ہند کی شرمائے گی

کہ مرے باغ کا اِک پھول تو ہے خندہ بلب
اور اس پھول کی آنکھوں میں ہے اشکوں کی نمی
کیوں نہ ایسا ہو کہ اس باغ کا ہر پھول ہنسے
ہونے پائے نہ بہاروں کے خزانے میں کمی

اور ہم آج محبت کی قسم کھاتے ہیں
کہ چراغ حرم و دیر نہ بجھنے دیں گے
شر کے اٹھتے ہوئے شعلوں سے لڑیں گے پیہم
مشعلِ زندگیِ خیر نہ بجھنے دیں گے

اپنے دیرینہ تمدن کا تقاضہ ہے یہی
کہ یہاں کرشن و محمدؐ کی صدا ساتھ چلے
عشق کا نعرۂ توحید فضا میں گونجے
چار سو نانک و چشتیؒ کی نوا ساتھ چلے

عید کے چاند کا پیغام یہی ہے یارو
کہ ہر اک دل میں محبت کی کرن جاگ اٹھے
روشنی دل میں جو آئے تو فضا میں آئے
جاگ اٹھے جو یہ دھرتی تو گگن جاگ اٹھے

سال بھر پیار محبت کی خوشی میں گزرے
اور ہر صبح پر انوار مبارک ہو تمھیں
ڈوب کر سینۂ درشن میں، یہ نکلی ہے صدا
دوستو! عید کا تہوار مبارک ہو تمھیں

***

عید مبارک

(قطعات)

بغل گیر

ناراض تھے خفا تھے ادھر دیکھتے نہ تھے
ہر چند ہم خلوص کی تصویر ہو گیے
لیکن بروز عید جو دیکھا اداس اداس
وہ مسکرا کے ہم سے بغل گیر ہو گیے

جشن عید

مناؤں کیوں نہ جشن عید میں بھی
کہ میرے دل کو اک وابستگی ہے
غم ہمسایہ اپنا غم ہے درشن
پڑوسی کی خوشی اپنی خوشی ہے

محبت کی صبح

گلے ملو کہ محبت کی صبح آئی ہے
چمک رہا ہے محبت سے خاندان وطن
سحر یہ عید کی، پیغام ہے اخوت کا
مبارک آپ کو یہ دن برادرانِ وطن

گلدستۂ الفت

ہوا یہ راس آئے تم کو اے گنگ و جمن والو
تمہاری نذر ہے الفت کا گلدستہ چمن والو
گلے ملنا خوشی سے بھول جانا ہر شکایت کو
مبارک ہو تمہیں یہ عید کا دن اے وطن والو

ہزار ہا عیدیں

حسین و دلکش و دلدار و دلربا عیدیں
نشاط خیز و طرب ریز و جانفزا عیدیں
دعا یہ درشن مخلص کی ہے کہ جام بکف
تمہاری زیست میں آئیں ہزار ہا عیدیں

عید مبارک (ابیات)

پیار کی آرزوئے دید مکمل ہو جائے
آپ آئیں تو مری عید مکمل ہو جائے

دے کے دل آپ، مرا دل لیجے
عید کا دن ہے گلے مل لیجے

بڑھ کے مسجد سے شوالے بھی گلے ملتے ہیں
آج تو روٹھنے والے بھی گلے ملتے ہیں

پھر آئی عید پھر دل کی کلی کھلنے کا دن آیا
مبارک ہو یارو کہ گلے ملنے کا دن آیا

★★★

سال نو ۱۹۶۷ء

اے مرے ہند، نیا سال مبارک ہو تجھے

تیری ہر وادی میں اک تازہ کرن جاگ اٹھے
دشت و صحرا میں ترے روحِ چمن جاگ اٹھے
تیرا جذبہ، تیرا دل، تیری لگن جاگ اٹھے

تیرے ماضی کی روایات درخشندہ ہیں

تیرا ارمان کا فردا بھی درخشندہ رہے
جیسے تابندہ ہے پرچم تیرا تابندہ رہے
جذبۂ امن ترا زندہ و پائندہ رہے

ضوفشاں پرچم اقبال مبارک ہو تجھے
اے مرے ہند نیا سال مبارک ہو تجھے

تیرے جانباز جوانوں کے ارادے ہوں بلند
دل کو تسخیر کرے تیری محبت کی کمند
تیرے مزدور کے ہاتھوں میں وہ تیشے چمکیں
جن کی ہر ضرب چٹانوں کا جگر چاک کرے
جن کی کوشش سے نئے تاج محل ہوں تعمیر
تیرے کھیتوں کی فضا اور بھی لہکے چہکے
اور سرسبز ہو شاداب ہو تیری دھرتی
جگمگاتی ہی رہے صبح تبسم تیری
تیرے جمہور کے چہرے پہ رہے شادابی

تیری آنکھوں سے نئے عزم کا جلوہ چھلکے
تیرا شیشہ مئے گلرنگ طرب سے چھلکے

***

تیرے فردا کے لیے حال مبارک ہو تجھے
اے مرے ہند نیا سال مبارک ہو تجھے

یہ نیا سال ہمیں اور توانا کر دے
دل میں اک تازہ لگن اور بھی پیدا کر دے
ہم نئے عزم کی تاریخ کی سرخی بن جائیں
پرچم ہند کو کچھ اور بھی اونچا کر دیں
تیرے پیغام محبت کو زمانہ جو سنے
تو اسے امن سے الفت ہو بشر سے اخلاص
شعلۂ جنگ بدل جائے حسیں پھولوں میں
زندگی امن کا ہنستا ہوا گلشن بن جائے
دل ویراں کو محبت سے پھر آباد کریں
جو بزرگوں کا چلن تھا وہ چلن یاد کریں
پیشواؤں کی دعا ساتھ ہے کیا غم ہم کو؟
حق پہ ہم ہیں تو خدا ساتھ ہے کیا غم ہم کو؟
مشکلیں جتنی پڑیں گی انھیں ہم جھیلیں گے
رنج و آلام کے طوفانوں سے ہم کھیلیں گے
اپنے ایثار کی اک روز جزا پائیں گے
ضو فشاں امن و مسرت کی فضا پائیں گے

با عمل ہے ترا ہر لال، مبارک ہو تجھے
اے مرے ہند، نیا سال مبارک ہو تجھے

سالِ نو تجھ کو سلام

سالِ نو تجھ کو سلام

زندگی تیرے تبسم کا سویرا پائے
حاشیے ذہن کے روشن ہوں تری کرنوں سے
پیرہن پہنے تصور تری رعنائی کا
مطلع ذہن پہ چمکے تری ست رنگ کمان
خطۂ ہند محبت کا شوالہ ہو جائے
گوشے گوشے میں ترے گونجے سحر کا پیغام
سالِ نو تجھ کو سلام

جس کو احساس ہو انسان کی دلداری کا
ابر آلود فضاؤں کو جو روشن کر دے
عزم تعمیر تمنا کا نہ منفی ہو کبھی
سعیِ مثبت کوئی تشکیل محبت کے لیے
نوک خنجر سے شگوفوں کے تبسم نہ چھوئیں
ان کی قسمت ہے فقط لمس نسیم سحری
سائز نور سے بیدار گلستاں ہو جائے
دولت عشق زمانے میں فراواں ہو جائے
راس آئے یہ سندیسہ ترا سنسار کے نام
سالِ نو تجھ کو سلام

وادیٔ ہند میں اک روحِ تبسم جاگے
کھول دے خاکِ چمن صبحِ نو کی آنکھیں
گیت خرمن کے سنانے لگے پھاگن کی ہوا
رقص بیدار ہو ہر کشت میں خوشحالی کا
عرقِ محنتِ دہقاں سے زمیں نم ہو جائے
وادیٔ گنگ و جمن اور بھی زرخیز بنے
ایک شاداب کرن سارے دکن سے پھوٹے
جذبۂ تخم فشانی بصد انداز بہار
ارضِ کیرل سے اٹھے، راس کماری سے اٹھے
ارضِ مدراس بہاروں کا نشیمن ہو جائے

خاک بنگال زر و مال کا خرمن ہو جائے
خاکِ گجرات کے جوڑے میں مہکنے لگیں پھول
اور کشمیر کے دامن سے گلابی چھلکے
ارضِ پنجاب سے خوشحالی کا چشمہ پھوٹے
اتری ہند کی خوابیدہ ہوائیں جاگیں
وادی وادی میں سویرا ہو فضائیں جاگیں
ظلمتِ وقت کے ہاتھوں کو ملے نور کا جام
سالِ نو تجھ کو سلام

میں سناؤں جو سنے گوشِ زمانہ بہ خلوص
سارے گلہائے پراگندہ کا یکجا ہونا
دلِ انساں کے لیے حوصلہ افزا ہونا
مشترک درد کے رشتے میں شگفتہ ہونا
کہیں ساغر، کہیں صہبا، کہیں مینا ہونا
شامِ گیتی کے لیے صبحِ تمنا ہونا
جرسِ قافلۂ عزم ہمالہ ہونا
اور بھی سیرت و کردار میں اونچا ہونا
جلوہ گستر ہو جہاں میں ترا تابندہ نظام
سالِ نو تجھ کو سلام

سالِ نو

(قطعات)

نئی سحر

پیار کی رہگزر مبارک ہو
شانتی کا سفر مبارک ہو
دور خوشیوں کا صبح و شام چلے
سالِ نو کی سحر مبارک ہو

جشن طرب

کارواں جشن طرب کا سحر و شام چلے
ساقیِ جام بکف ساتھ بہر گام چلے
دل سے کرتا ہے دعا آپ کا در جشن شب و روز
آپ کی بزم میں خوشیوں کا سدا جام چلے

تابندہ زندگی

نمود سالِ نو سے زندگی تابندہ ہو جائے
ستارے رقص فرمائیں کرن رخشندہ ہو جائے
الٰہی آنے والے سال میں توفیق دے ایسی
وطن کا جذبۂ جمہوریت پایندہ ہو جائے

سراپا اخلاص

سراپا سالِ نو اخلاص کی تصویر ہو جائے
محبت کی نظر کے خواب کی تعبیر ہو جائے
زمیں پر عام ہو عشقِ بشر اور عزم یک جہتی
خدایا! سالِ نو میں امن عالمگیر ہو جائے

گلہائے عقیدت

قطعات
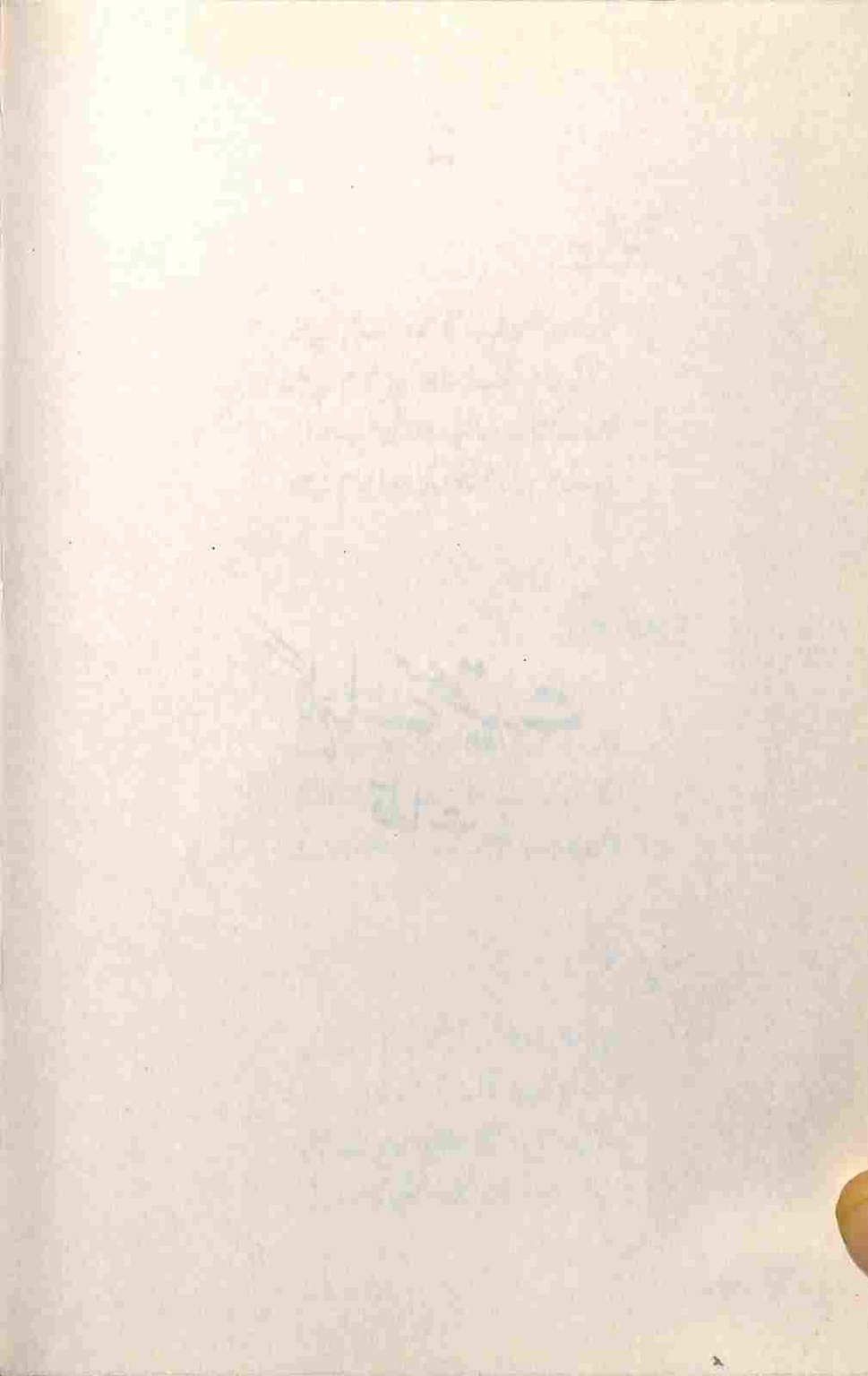
ولائے حضرت علیؑ

علیؑ کی محبت کا میخوار بھی ہوں
محبت میں مرنے کو تیار بھی ہوں
سنبھل کر ذرا مجھ سے تم بات کرنا
کہ سردار بھی ہوں میں سرشار بھی ہوں

حکمت کی بھیک کے لیے پھیلائے دونوں ہاتھ
میں اس نبیؐ کے پاس گیا جس کی دھوم ہے
لیکن سوالِ علم پہ ارشاد یہ ہوا
حیدر کے در پہ جا کہ وہ باب العلوم ہے

★★★

امامِ منتظر[1]

ایٹمی دور ہے شعلے ہیں فضاؤں میں بھرے
ڈر یہ ہے ساری ہی دنیا نہ کہیں جل جائے
آپ کے فیض کا دریا ہی بجھا سکتا ہے آگ
آپ آئیں تو زمانے سے یہ آفت ٹل جائے

وفا پیکر بھی ہے، دیندار بھی ہے، حق نگر بھی ہے
سراپا عشق بھی ہے رہنما ہے منتظر بھی ہے
رسولِ پاک کے وارث! دیارِ ہند میں آجا
یہ دھرتی صوفیوں کی پاک بھی ہے معتبر بھی ہے

---

[1] حضرت امام مہدی

ہجر میں جلتے ہیں ہم تیرے امام غائب
بربریت کی گھٹا چھائی ہے اس عالم پر
ہر طرف کفر کا طوفان ہے برپا مولا
ڈوبتی دین کی نیا کو بچالے آکر

عاشقوں پر رحم فرما دیجئے
اب نقابِ رخ کو سرکا دیجئے
حسرت دیدار میں بے تاب ہے
اک جھلک درشن کو دکھلا دیجئے

وہ شہہ مشرقین آجائے
دل مضطر کو چین آجائے
کرتا رہتا ہوں یہ دعا درشن
یادگار حسینؑ آجائے

شوق دیدار یار رہتا ہے
دل مرا بیقرار رہتا ہے
اے صبا وہ ملیں تو کہہ دینا
آپ کا انتظار رہتا ہے

آگیا جذبۂ ہمت کو جگانے والا
اہلِ بیداد کی گردن کو جھکانے والا
عزم کی آگ اگلتی ہوئی تلواروں سے
ظلم شاہی کے نشیمن کو جلانے والا

کاروانِ زندگی کا رہنما پیدا ہوا
صاحبانِ دین و دل کا پیشوا پیدا ہوا
رحمت باری ہے جو ساری خدائی کے لیے
آج اس دھرتی پہ وہ مردِ خدا پیدا ہوا

اخلاص کے آغوش کا پالا سکھ ہوں
صہبائے ولائے شہہ کا ڈھالا سکھ ہوں
اللہ کو ایک مانتا ہوں درشن
غیبت پہ یقیں رکھنے والا سکھ ہوں

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

آپ کی ایک محبت کی نظر ہے درکار
عشق، ہر درد کی، ہر دکھ کی دوا ہوتا ہے

اس لیے آپ کی الفت کا میں دم بھرتا ہوں
آپ خوش ہوں تو رضا مند خدا ہوتا ہے

آپ کے در سے بھلائی مجھے کیونکر نہ ملے
آپ کے در سے تو دنیا کا بھلا ہوتا ہے

★★★

مرشد[ا]

نہ ایں و آں کی آنکھوں سے، نہ ما و من کی آنکھوں سے
نہ باطل دوست نظروں سے، نہ حق دشمن نگاہوں سے
نظر جلوہ حقیقت کا گرو کے رُخ پہ آتا ہے
مگر یہ شرط ہے دیکھے کوئی درشن کی آنکھوں سے

★★★

ا سنت کرپال سنگھ جہاراج کی شان میں

دعا

شاد و آباد رہے ساقی ترا میخانہ
خم کے خم نرگسی آنکھوں سے لنڈھا دے ساقی
ہے قسم تجھ کو تیری ساقی گری کی کرپا آل
آج ہم جتنی پئیں، اتنی پلا دے ساقی

★★★

احبابِ باصفا

حبیبِ نکتہ رس

محترم آپ کی نوازش کا
شکریہ کس زباں سے ہو ادا
آپ کے دل میں دردِ انسانی
آپ کی گفتگو دلوں کی دوا

یہ نظم، جناب پرکاش چندر بھگت، ڈائرکٹر جنرل ڈی، جی، ایس، این ڈی کے وداعی جلسے کے موقع پر ارتجالاً لکھی گئی۔

آپ سرمایۂ عنایت و لطف
آپ سرچشمۂ خلوص و وفا
آپ کا ذہن ہے شگفتہ پھول
آپ کا دل ہے صاف آئینا
آپ ہیں قدر دانِ اہلِ ہُنر
آپ ہیں نکتہ دانِ اہلِ صفا
آپ محنت کی قدر کرتے ہیں
آپ پہچانتے ہیں سعیِ وفا
آپ کے دامنِ کرم سے ملی
مجھ کو پربت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
قدر کی آپ نے، عنایت ہے
ورنہ انعام کیا محبت کا؟
آپ کو دل سے پیار کرتا ہوں
اور نہیں چاہتا میں اس کی جزا
پیار تو پیار کی جزا ہے آپ
عشق کب چاہتا ہے مدح و ثنا
چاہتا ہوں کہ آپ سے سیکھوں
کچھ سلیقہ میں کام کرنے کا
آپ کو میں تو بھائی مانتا ہوں
میرے محسن ہیں، سچے راہ نما

آپ پر اعتبار کرتا ہوں
میرے ہر درد کی ہیں آپ دوا
مردِ مومن مجھے نصیب ہوا
کیا موافق ہے میرا بختِ رسا
غم منزل مجھے ستائے کیوں
جب کہ حاصل ہے ایسا راہ نما
کام آسان ہو ہی جائے گا
گرہیں کھول دے گا عقدہ کشا
آرزو ہے یہ روز و شب دل میں
لب پہ شام و سحر یہی ہے دعا
خوش رہیں آپ شاد کام رہیں
مرتبے آپ کے ہوں اور سوا
شادماں رہیے، کامراں رہیے
اپنے درشن پہ مہرباں رہیے

***

مجسمۂ وفا

(پرکاش چندر بھگت)

اگر خلوص کو مل جائے علم و دانائی
تو بن کے رہتا ہے انسان جانِ زیبائی

خرد نے آپ کو بخشا، حسین مستقبل
جنوں سے آپ کو حاصل ہوا ہے جذبۂ دل

وہ جذبۂ دل بے تاب جو محبت ہے
خدا کی دین ہے اللہ کی عنایت ہے

کہاں نصیب کہ رتبہ اگر بلند ملے
تو دل بھی پہلو سے انساں میں دردمند ملے

مجسمہ ہیں عنایت کا حضرت پرکاش
کہ جن کے پیار سے روشن ہے زیست کا آکاش

مری زباں نہیں عادی ہے مدحِ بے جا کی
کہ میں نے پایا ہے الفت کا عزم بے باکی

جسے بھی پیکرِ حسنِ صفات پاتا ہوں
اسی کے عشق و محبت کے گیت گاتا ہوں

ملی ہے حضرت پرکاش میں وہ رعنائی
کہ دل ہوا ہے محبت کا ان کی سودائی

وہ ایک پیکر علم و ہنر ہیں کیا کہیے،
شب سیہ میں پیامِ سحر ہیں کیا کہیے،

ہر اک پہ مہر و وفا کی نگاہ کرتے ہیں
بڑے ہی پیار سے ہر دل میں راہ کرتے ہیں

وہ اہلِ دانش و حکمت سے پیار رکھتے ہیں
لطیف ہیں تو لطافت سے پیار رکھتے ہیں

وطن کے ایسے ہی فرزند کام کرتے ہیں
بلند ہند کا دنیا میں نام کرتے ہیں

اگرچہ میں نہیں لطفِ نگاہ کے قابل
کہ میں ہوں ذرۂ ناچیز وہ مہِ کامل

مگر نہ پوچھیے چھب ان کی دل ستانی کی
نگاہ مجھ پہ رکھتے ہیں مہربانی کی

مجسمہ ہیں محبت کا پیار کی تصویر
ہوئی نگاہ تو میری بدل گئی تقدیر

بتاؤں کیا جو ہوئی ہے نگاہ لطف عطا
زباں کے پاس کہاں لفظ ہیں دعا کے سوا

بہارِ جشنِ مسرت ملے قدم بہ قدم
شریکِ حال رہے خالقِ جہاں کا کرم

تمام کنبہ مسرت سے شاد کام رہے
ہر ایک ہاتھ میں عیش و طرب کا جام رہے

ملے وہ جام کہ شرمائے ساغرِ جم بھی
شریکِ عیش رہیں ساتھ آپ کے ہم بھی

ہمیں دعائے محبت سے کام ہے درشنؔ
انھیں کے فیض سے اب نیک نام ہے درشنؔ

شہاں کہ رسم و رہِ عشق اختیار کنند
نگاہِ لطف بہ مردانِ خاکسار کنند

رازدانِ محبت

رہے یہ سلسلہ قائم حیات کے مابین
قدم قدم پہ میسّر ہو آپ کو سکھ چین
ہزار سال کی عمرِ رواں ودیعت ہو
یہ جنم دن ہو مبارک، جناب بھدرسین

خدا کرے کہ ہر اک سال آپ کی خاطر
خوشی و صحت و اقبال کی سحر لائے
دعا ہے مرشدِ اعظم کا فیض بے پایاں
ہر ایک آپ کے دل کی مراد بر لائے

متاعِ لوح و قلم، نکتہ داں مبارک ہو
ادب کی زندگی کامراں مبارک ہو
جہانِ امن و محبت کے راز داں تجھ کو
عروجِ زندگی جاوداں مبارک ہو

یہ قطعات نثری ابجدہ میں نے یوم ولادت ۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء پر قلم بردار گیا گیا

ہندی، پنجابی، فارسی کلام

رباعیات باباطاہر

[باباطاہر کی رباعیوں کا پنجابی میں آزاد منظوم ترجمہ]

مٹدا نہیں نقش تیری سندرتا دا دل اُتوں
بھُلدا نہیں خیال تیرے سوہنے نقش نین دا
لائی اے میں واڑ اپنی پلکاں دی اکھاں گرد
وگے نہ خیال تیرا وگے خون نین دا

دیکھدے جو روز تینوں بڑے بھاگوان ہیں
بیٹھدے نے سنگ تیرے بول دے نے سنگ تیرے
جے کر تیرے درشناں لئی. بل نہیں کول میرے
درس کراں اوس دے میں درس کرے جیہڑا تیرے

غم دیاں حقیقتاں نوں گھائل دل ہی جاندا اے
پا وندے نے قدر دان قدر سدا دل دی
اکٹھے بہہ کے رووٗ سارے دلاں دیو روگیو
دل دا مریض جان سکے حال دل دا

بنا تیرے اکھیاں توں اتھرو میں کیردا ہاں
لگدا نہیں پھل میرے آس والے بوٹے نوں
بنا تیرے دنیا توں دور میں وچردا ہاں
تاکہ پورا کر لواں عمر والے جھوٹے نوں

تاراں اوہ رباب دیاں زلفاں ہیں تیریاں
ہور کی لوڑنا ایں بڑے میرے حال توں
ٹٹ گئی دوستی دی ڈور تیری میری جد
کم تیرا پھیر کی خواب وچ آن دا

کون ہاں تے کدے نال؛ دس مینوں رب جی
خونی ہنجو کیر دا جاں، آخر ہور کد تک
لوکی درکار دے نے در تیرے آندا ہاں
ملے جے نہ شرن ایتھے ہور کتھے ماراں جھک

شیر چینا کھبرے توں میرے لئی کی ایں
دلا میرے نال کیونکہ کھہوندا ہمیش ایں
کراں تیرا خون میں، تا جو جے کر آویں توں
پھر دیکھاں رنگ تیرا رنگ تیرا کی اے

وچ میں اجاڑ دے پھرناہاں رات دن
کیرناہاں ہنجو تیری یاد وچ رات دن
روگ تاپ ہے نہیں مینوں ذرا مول دی
بیتدے نے رون وچ فقراں دے رات دن

گھر میرا روشن کر گیے رات آن کے
نہ چھڈ مینوں تو ہجر دیاں غماں وچ
سوہنہ تیرے نیناں دی جد میں وچھڑناہاں
اک مک ہو جاناں نال میں غم دے

تھکن

مترو! آؤ کریں پیار کی باتیں کچھ دیر

یہ زمانہ تو ملاقات کا دشمن ٹھہرا
کام اتنے کہ سمیٹیں تو سمٹتے ہی نہیں
ذہن بوجھل ہیں، ہر اک چہرے سے اڑتا ہے غبار
جسم ٹھنڈے ہیں، نگاہوں سے ٹپکتی ہے تھکن
جیسے تقدیر میں ہم لوگوں کی میخانہ نہیں
کوئی ساقی نہیں اپنا کوئی پیمانہ نہیں

کیوں نہ ہو ساقی کی، میخوار کی باتیں کچھ دیر
مترو! آؤ کریں پیار کی باتیں کچھ دیر

سنسکرتی کی سبھا آج پڑی ہے سونی
دیپ کی لَو ہے، نہ پھولوں کا ملایم آنچل
دل میں احساس کے دیپک، نہ تمنا کے کنول
ہونٹ نس تبدھ ہیں نس تبدھ نہ دوبانہ غزل
مل کے چھیڑیں تو ذرا پیار کی باتیں کچھ دیر
مترو! آؤ کریں پیار کی باتیں کچھ دیر

لیکھنی چلتی رہی، صبح سے شام آپہنچی
اپنے بھارت کی سمیاؤں کا حل کرتے رہے
اپنے ماتھوں پہ شکن پڑتی رہی، پڑتی رہی
دن کے سنگ اپنی تھکن بڑھتی رہی بڑھتی رہی
دل مگر خوش ہے کہ سچیت لگن سے دن بھر
مانگ بھارت کی سنواری ہے بھرا ہے سندور
تھک گئے ہاتھ تو کچھ غم نہ کرو اے مترو
چتر پر یاس کے ہر آن بناتے ہی چلیں
نیو رکھتے چلیں، دیوار اٹھاتے ہی چلیں
دل کے نرجن ہی میں اک تازہ کنول ابھرے گا
دیکھنا سوپن سے اک شیش محل ابھرے گا

اب تو ہوں شانتی سنسار کی باتیں کچھ دیر
مترو! آؤ کریں پیار کی باتیں کچھ دیر

ان حسیں لمحوں سے ہی دور تھکن سب ہو گی
کام کے واسطے ہو جائیں گے پھر تازہ دم
نئے جیون کے لیے دوڑے گی رگ رگ میں ترنگ
کونپلیں کلپنا کی جس سے نئی پھوٹیں گی
پیار کی شکتی سے پھر کلپنا ہو گی ساکار
روز اک تازہ لگن پیار کا جیون دے گی
جس سے اک یگ کا نئے دیش میں ہوگا نرمان
اور بہہ نکلیں گی اس دیش کے ہر حصے میں
ندیاں دودھ اور امرت کی، مدھو کی جھیلیں
اور اک سوریہ اس دیش کا ہر کن ہو گا
سنسکرتی کی کرن پھوٹے گی ہر کونے سے
جس سے سکھ شانتی اور پریم کا ہوگا سنچار
واستوک سورگ بنے گا یہ میرا پیارا وطن
ہو گا سنسار کے ہر دیش سے یہ دیش مہان
ہوں نئی دنیا کے آکار کی باتیں کچھ دیر
مترو! آؤ کریں پیار کی باتیں کچھ دیر

گیت

آؤ آپس کے ہر بھید اور بھاؤ کو چھوڑ دیں

رات کے پاس کیوں اندھیرے ہیں وِپتاؤں کے
دن کی تھالی میں ہیں، پھول اپرِبار چِنتاؤں کے
اور ہم گیت لکھتے سدا، من کی، کُنٹھاؤں کے

آج ہم اپنے گیتوں کا نغموں کا رخ موڑ دیں
آؤ آپس کے ہر بھید اور بھاؤ کو چھوڑ دیں

من کی وینا سے اٹھتے سدا، سور نئے پیار کے
من کی بگیا میں اگتے ہیں پھول افکار کے
من کے شبدوں سے لکھے گئے گیت اقرار کے

من کے رشتے، نئی پریت کی ریت سے جوڑ دیں
آؤ آپس کے ہر بھید اور بھاؤ کو چھوڑ دیں

دھرم یہ، ہر گرو، ہر پیغمبر، ہر اوتار کا
نام ہوں لاکھ، مالک ہے بس ایک سنسار کا
دھرم ہے نام، انسان سے انسان کے پیار کا

دھرم، مذہب، جو بن جائے دیوار تو توڑ دیں
آؤ آپس کے ہر بھید اور بھاؤ کو چھوڑ دیں

روز جیون یہ کہتا، اٹھو اپنا کرتویہ پورا کرو
تم پہ ذمہ، نئے دیش کا، تم قلمکار ہو
جس سے پرسپر پریم بڑھے تم شبد ایسا لکھو

لیں شپتھ آج ہم، وقت کے دھارے کو موڑ دیں
آؤ آپس کے ہر بھید اور بھاؤ کو چھوڑ دیں

کارخانے اکھاڑے بنیں، کس لیے کلیش کے
کارخانے نہیں ہیں یہ مندر، نئے دیش کے
ان میں بولیں، نہ ہم شبد، نفرت کے اور دویش کے

سوپن ساکار ہوں، شبد شبدوں سے یوں جوڑ دیں
آؤ آپس کے ہر بھید اور بھاؤ کو چھوڑ دیں

امن

پر نیک شانتی کا ہوں یہ مانتے ہیں لوگ
لیکن ہوں دیش بھکت بھی پہچانتے ہیں لوگ
درشن وطن کی آن بچانے کے واسطے
جاں سے بھی کھیل جاؤں گا یہ جانتے ہیں لوگ

قطعۂ فارسی

مست کُن ساقی مرا تو بے حساب
معجزہ بنما ودہ جام شراب
من نخواہم مُطرب و قوال را
اندرونم نغمۂ چنگ و رباب

★★★

تہنیتیں اور دعائیں

نوائے تہنیت

چل کے آہستہ صبا صحن چمن تک پہنچی
اک مسافر کی لگن آج وطن تک پہنچی

جل اٹھے وقت کے ساحل پہ مسرت کے دیے
ندیاں کتنی تھیں بے چین یہ سنگم کے لیے

ناز نے بخشنہ نو عمز ے نے نبر رکھ ہی دیا
حسن نے عشق کی آغوش میں سر رکھ ہی دیا

ہو مبارک تمہیں یہ کیف و مسرت کی برات
راس آئیں دلِ مشتاق کو رنگین لمحات

مئے الفت کا ہمیشہ کے لیے دور چلے
دور یہ اور چلے، اور چلے، اور چلے۔

دل محبت کا چھلکتا ہوا پیمانہ بنے
زندگی میکدہ بر دوش پری خانہ بنے

اس طرح مل کے چلیں زیست میں دولھا دولہن
ساتھ خوشبو کے چلے جیسے نسیمِ گلشن

مسکراہٹ لبِ رنگیں پہ بکھرتی جائے
چاندنی مہر و محبت کی نکھرتی جائے

دل سے درشنؔ کے نکلتی ہے دعا شاد رہو
گلشنِ زیست میں پھولو پھلو آباد رہو

سہرا

ستارے خوش نصیبی کے اچانک آ کے ملتے ہیں
تو سہرے مسکراتے ہیں، دلوں کے پھول کھلتے ہیں

یہ شادی زندگی کی خانہ آبادی کا ساماں ہے
تمنا ہے، تبسم ہے محبت ۔۔ہے، چراغاں ہے

محبت زندگی کو غیرت گلزار کرتی ہے
وہی ہے زندگی جو زندگی سے پیار کرتی ہے

جسے کہتے ہیں شادی، پیار کا وہ پاک بندھن ہے
کہ جس سے رنگ و بو کے اوج پر بھارت کا گلشن ہے

مُقدس کنیائیں بیاہ کا جب گیت گاتی ہیں
مہارشیوں کی معصوم آتمائیں مسکراتی ہیں

مچی ہے دھوم رادھا کرشن جی کے صحن گلشن میں
دکھاتی تھیں بہاریں گوپیاں جس طرح مدھوبن میں

ہے مجبورِ رقص ہر ذرّہ خوشی کی بات ہے اے دل
ملن سے شادماں سب ہیں، ملن کی رات ہے اے دل

دعا یہ ہے کہ رادھا کرشن کا گلشن پھلے پھولے
بہارِ عیش کے جھولے میں ہر نازہ کلی جھولے

قدم اس پیار سے دلہا دلھن آگے بڑھائیں گے
کہ بن کر راہبر سنسار کو منزل دکھائیں گے

بڑھے کردار سے ایسی تجلّی آشیانے میں
دیا روحانیت کا جل اٹھے سارے زمانے میں

ملا کر دل سے دل تازہ کریں یہ رسم الفت کی
کہ اب بھی سرزمین ہند پیاسی ہے محبت کی

چلیں کچھ ایسے ہنستے کھیلتے راہِ تمنا میں
وطن کے نام کو اونچا کریں یہ ساری دنیا میں

مجھے درشن یہ آشا ہے کہ دونوں کامراں ہوں گے
وقارِ قوم ہوں گے، نازشِ ہندوستاں ہوں گے

سہرا

کتنے خوابوں کی ہے تعبیر نرالا سہرا
حسن اور عشق کا گہوارہ ہے پیارا سہرا

ایک سہرا تھا مگر چاہنے والے دو تھے
دو سے ایک جان ہوئے تب یہ خریدا سہرا

موسمِ دید ہے گستاخ نہ ہو جائے نظر
اس لیے دیدۂ مشتاق پہ ڈالا سہرا

نوشہ اور سہرے میں اک رشتۂ نورانی ہے
چاند ہے نوشہ کا رخ، چاند کا ہالہ سہرا

ہر لڑی پیار سے لیتی ہے بلائیں رخ کی
حسن نوشہ پہ جو ہے والہ و شیدا سہرا

تابش حسن سے آئی وہ ضیا سہرے پر
بن گیا بزم تمنا کا اجالا سہرا

بجلیاں شوق کی گرنے لگیں مشتاقوں پر
رخ روشن سے جو نوشہ نے ہٹایا سہرا

جس کے دیدار کا ارماں تھا دلوں کو اپنے
ہم کو دکھلا گیا وہ طور کا جلوہ سہرا

جھک گئیں سجدے میں مشتاق نگاہیں سب کی
قدرتِ حق کا یہ منظر ہے سراپا سہرا

غیر مانوس کو مانوس بنا دیتا ہے
یوں دکھاتا ہے محبت کا تماشا سہرا

دو دلوں کو جو ہم آہنگ بنا دیتا ہے
سازِ الفت پہ ہے توحید کا نغمہ سہرا

سر بسر جلوۂ فردوس ہے اس کی صورت
ہو بہو خلدِ مسرت کا نظارا سہرا

دل سے ہر ایک کنوارے کے یہ آتی ہے صدا
اے خدا میری بھی شادی کا ہو ایسا سہرا

حاصلِ شوق دعاؤں کا شگفتہ گلشن
سب بزرگوں کی ہے معراج تمنا سہرا

عالمِ شوق میں یاروں نے بڑی چاہت سے
چوم کے نوشہ کو آنکھوں سے لگایا سہرا

لے کے آیا ہے تمنا کے شگوفے درشن
کیجئے منظور کہ الفت کا ہے تحفہ سہرا

سہرا

وہ کرشمہ ہے، وہ جادو ہے وہ طاقت سہرا
دل میں رکھ دیتا ہے بنیاد محبت سہرا

بڑھ رہا ہے بخوشی منزلِ جاناں کی طرف
اپنے دامن میں لیے پیار کی دولت سہرا

کیوں نہ کہیے اسے تہذیب تمنا کی نقاب
کہ چھپا لیتا ہے نظروں کی شرارت سہرا

غیر مانوس کو مانوس بنانے والا
خوب ہے ماہر اندازِ طبیعت سہرا

ہے تو آنکھوں کے لیے پردہ حجابا کا لیکن
ان کے دیدار کی دیتا ہے اجازت سہرا

اس کی خوشبو سے گلستاں بھی مہک جائیں گے
عرش سے لایا ہے گلہائے مسرت سہرا

روشنی اور بڑھے اور بڑھے اور بڑھے
سارے گھر کے لیے ہو نورِ محبت سہرا

رہِ ہستی میں چلیں ہو کے بہم دولہا دولھن
ان کو دکھلائے سدا شمعِ ہدایت سہرا

لکشمی گھر میں چلی آئے چھما چھم کرتی
اور ہر گام کرے بارشِ نعمت سہرا

سہرا

روئے نوشہ پہ یہ کہتا ہے مہک کر سہرا
مرکزِ حسنِ چمن کا ہے گلِ تر سہرا

صحنِ گلشن میں پہنچتے ہی خبر شادی کی
پھول شاخوں سے نکلنے لگے بن کر سہرا

ایسا سہرا تو نظر سے نہیں گزرا تھا کبھی
جس کا ہر پھول ہو خود اپنی جگہ پر سہرا

ہر کلی سہرے کی دل کھینچے لیے جاتی ہے
ایسے عالم میں کوئی دیکھے تو کیونکر سہرا

آرزوؤں کے سفینے ہیں ساحل پہ پہنچے
کشتیٔ دل کے لیے بن گیا لنگر سہرا

جس کے دیدار کا ہر دل ہے ازل سے شائق
دیکھ لو ہے یہ وہی طور کا ہمسر سہرا

کبھی پھولوں پہ نظر پڑتی ہے کلیوں پہ کبھی
کہکشاں ہے تو کبھی تاروں کا جھومر سہرا

گلفشاں جیسے جوانی کی بہاریں ہیں تری
پیش کرتا ہے یونہی خلد کا منظر سہرا

ہے یہ کرپال کی رحمت کا کرشمہ درشنؔ
یوں لکھا ہے کہ لکھیں جیسے سخنور سہرا

وداع

روشنئ چشم مادر، باپ کی روحِ رواں
عفت و عصمت کی پیکر افتخارِ خاندان

کاروانِ زندگی کا رخ ہے منزل کی طرف
ہو مبارک مل گیا تجھ کو امیرِ کارواں

آج ہے تیری حیاتِ نو کی زریں ابتدا
دل میں شوہر کے بنالے جا کے اپنا آشیاں

درسگاہِ حسن سیرت تھا یہ گھر تیرے لیے
ازدواجی زندگی میں اب ہے تیرا امتحاں

ہو پنپ بھکنی ہی تیری کائنات زندگی
طاعت شوہر کا دل میں ہو سدا جذبہ نہاں

تو تصنع اور بناوٹ سے گریزاں تھی سدا
آج کردار و عمل ہوں تیرے دل کے ترجماں

زندگی میں آئینہ بندی ہو یوں اخلاق کی
ہو کے خوش تجھ کو دعائیں دے ہر اک پیر و جواں

جا خدا حافظ میری بچی نہ اب ہلکان ہو
دل کو رکھ مضبوط خود مرشد ہے تیرا پاسباں

وداع

(مرشد کے حضور میں شادی کے موقع پر)

(۱)

ازل کے ساقی نے پھر وا کیا ہے میخانہ
خوشا! کہ دور میں ہے رحمتوں کا پیمانہ
سرور و نور کے سانچے میں ڈھل گئی محفل
خوشا! یہ ساقی و مے یہ فضائے مستانہ

(۲)

فلک سے نور فشاں تجھ پہ آج ماہ و نجوم
فضا کے صفحۂ روشن پہ ہے یہی مرقوم
"بہشت زارِ معیشت تجھے مبارک ہو"
فرشتے محوِ دعا ہیں، مچی ہے خلد میں دھوم

(۳)

رموز نغمۂ ہستی پہ رازداں آیا
جھکا کے سر تری محفل میں آسماں آیا
خوشا! کہ عرش سے تیری حیات نو کے لیے
سکون و مستی و نصرت کا کارواں آیا

(۴)

دعا یہ ہے ترا شوہر ہو کائنات تری
زمیں ہو اس کی محبت، فلک رضا اس کی
حیات و عصمت و مہر و وفا ہو تیرا شعار
تمام عمر میسر ہو اس کی خوشنودی

(۵)

تو حسن و عشق مجسم ہے، تو خلوص و نیاز
نوا اس کا نغمہ ہے وہ ہے بہار عشق کا ساز
کبھی وہ چاند، کبھی پھول اور کبھی خوشبو
ہر ایک رنگ، ہر اک شکل میں ہے تو ہمراز

(۶)

تری حیات ہے دورِ مسرت پیہم
کہ تیرے حال پہ ہے رب دو جہاں کا کرم
ہر ایک عظمت و راحت نصیب میں ہو ترے
سدا بہار رہے زندگی تیری ہمدم

(۷)

خدا کے فضل سے ہے دو دلوں کی اک آواز
سدا سدا تو سہاگن ہو تیری عمر دراز
ابد تلک رہے باقی سہاگ کا رشتہ
ملے ہیں حکم خدا سے یہ روح و دل کے ساز

(۸)

رلانے والا ہے کتنا وداع کا یہ سماں
مگر عزیز ترے پھر بھی آج ہیں شاداں
شب برات ہو ہر رات، دن ہو عید کا دن
تجھے نصیب ہوں دونوں جہان کی خوشیاں

دعائیں

رخصتی کے وقت تیری سارا گھر مغموم ہے
مضمحل ہے مادرِ مشفق، پدر مغموم ہے

لیکن اے بچی مری، نورِ نظر، آرامِ جاں
بنتِ آدم کا مقدر ہے فراقِ آشیاں

گھر سے رخصت ہو رہی گھر بسانے کے لیے
آشیاں چھوڑا ہے تازہ آشیانے کے لیے

ہے دعا ہر ایک کے دل کی، کہ تو شاداں رہے
زندگی خوشیوں میں گزرے باسروساماں رہے

جذبۂ خدمت ملے، احساس دم سازی ملے
طاعتِ شوہر سے کنبے میں سرافرازی ملے

پیار میں ڈوبی ہوئی دل کی صدائیں ساتھ ہیں
جا، خدا حافظ، بزرگوں کی دعائیں ساتھ ہیں

دعائیں

آرزو ماں باپ کی ہوتی ہے یہ سب سے بڑی
شاخ ارماں ایک دن بن جائے موتی کی لڑی

دل نے جو پودا لگایا ہے وہ یوں پھولے پھلے
مہکے جیسے رات کی رانی ستاروں کے تلے

ان کے آنگن سے چلی ہے ان کے آنگن کی بہار
ان کے گلشن سے چلی ہے ان کے گلشن کی بہار

دونوں مل کر پایدار و مستقل بن جائیں گے
ایک جان بن جائیں گے اور ایک دل بن جائیں گے

دل مگر چھوٹا نہ کرنا اے میری نورِ نظر
ہیں بزرگوں کی دعائیں آج تیری ہم سفر

میرے عزیز نئی زندگی مبارک ہو
نئی بہار نئی دلکشی مبارک ہو
تجھے نصیب ہوں سب عظمتیں خدائی کی
سنہرے دور کی ہر اک خوشی مبارک ہو

संत दर्शन सिंह जी के बारे में पुस्तकें

20. शान्ति दूत –संयुक्त राष्ट्र संघ से संलग्न संस्था University of Peace एवं सावन कृपाल पब्लिकेशन द्वारा प्रकाशित)
21. संक्षिप्त जीवन चरित्र
22. The Divine Darshan
23. Seeing is above all

संत राजिन्दर सिंह जी द्वारा रचित पुस्तकें

1. पर्यावरण आत्मा का
2. आधुनिक युग में आध्यात्म
3. शिक्षा: शांतिपूर्ण विश्व के लिए
4. नाम से मुक्ति
5. आत्मानुभव
6. सच्चा सुख
7. आत्मिक शांति की खोज
8. नये युग का संदेश
9. Vision of Spiritual Unity and Peace

संत राजिन्दर सिंह जी के बारे में पुस्तकें

10. संक्षिप्त जीवन चरित्र
11. Spreading Divine Love
12. Illumine Every Heart

संतों की वाणी श्रृंखला

1. बाबा फरीद
2. संत सूरदास
3. संत नामदेव
4. संत धर्मदास
5. संत रविदास
6. भक्त मीरा बाई
7. संत दादू साहिब
8. संत तुलसी साहिब
9. संत दरिया साहिब
10. संत कबीर साहिब
11. संत पलटू साहिब
12. संत भीखा साहिब
13. भक्त दयाबाई एवं भक्त सहजोबाई
14. संत चरणदास

अन्य पुस्तकें

1. स्मारिका 1990 First Global Conference on Mysticism
2. प्रेम एकता और शांति (स्मारिका 1993)
3. स्मारिका 1994 (जन्मशताब्दी संत कृपालसिंह)
4. Classic & Creations
5. Vegetarian Creations
6. Science of Spirituality
7. Greek Vegetarian Cook Book

ये सभी पुस्तकें और मासिक पत्रिका 'सतसंदेश' प्राप्त करने हेतु निम्नलिखित पते पर संपर्क करें .

सावन कृपाल पब्लिकेशन्स

'कृपाल आश्रम' संत कृपाल सिंह मार्ग, विजय नगर, दिल्ली-110 009 (इंडिया)

फोन : 722 2244, 722 3333, 712 8707

सावन कृपाल पब्लिकेशन्स की पुस्तकें व साहित्य

संत कृपाल सिंह जी द्वारा लिखित पुस्तकें

1. संक्षिप्त जीवन चरित्र हुजूर बाबा सावन सिंह जी महाराज
2. इंसान, अपने आपको जान !
3. जीवन चरित्र परम संत बाबा जयमल सिंह जी महाराज
4. दिल से दिल की बात (तीन भागों में)
5. प्रार्थना (क्यों और कैसे करें)
6. नाम या वर्ड (दो भागों में)
7. जाग-जाग उठ जाग रे
8. रामायण में संतमत
9. संपूर्ण गुरु की खोज
10. ईश्वरीय शक्ति : गुरु शक्ति
11. जीवन की पड़ताल
12. सच्चा जन्मदिवस कैसे मनाएं ?
13. जीवन चक्र—कर्म और फल का नियम
14. योग : एक तुलनात्मक अध्ययन
15. प्रेम और भक्ति (प्रातः कालीन सत्संग)
16. त्यौहारों का महत्व
17. जीवन का अमृत (दो भागों में)
18. Spirituality what it is?
19. Jap Ji
20. Mystery of Death
21. The Night is a Jungle & other discourses
22. Simran

संत कृपाल सिंह जी के बारे में पुस्तकें

23. पिता-पूत
24. संत कृपाल सिंह जी महाराज का मिशन
25. कृपालसिंह : एक संत की जीवन गाथा
26. दया के महासागर (दो भागों में)
27. बाल सत्संग कथायें
28. दीपावली
29. The Teachings of Kirpal Singh
30. The Spiritual Path
31. The Way of the Saints
32. The Beloved Master
33. The Saint & his Master
34. Portrait of Perfection

संत दर्शन सिंह जी द्वारा लिखित पुस्तकें

1. तलाशे-नूर (उर्दू काव्य संग्रह)
2. मंजिल-नूर (उर्दू काव्य संग्रह)
   साहित्य अकादमी लखनऊ द्वारा पुरस्कृत
3. मताए-नूर (उर्दू काव्य संग्रह)
   साहित्य अकादमी दिल्ली, लखनऊ तथा पंजाब द्वारा पुरस्कृत
4. जादाये-नूर (उर्दू काव्य संग्रह)
5. मौजे-नूर (उर्दू काव्य संग्रह)
6. इश्क मिला कदम-कदम
7. रहस्यों का रहस्य (दो भागों में)
8. आध्यात्मिक जागृति (दो भागों में)
9. अमृत प्रवाह (दो भागों में)
10. अन्तरीय अंतरिक्ष के अचरज
11. एक आँसू एक सितारा (काव्य संग्रह)
12. चुनौती अन्तरीय अंतरिक्ष की
13. सन्त मत
14. शाकाहार का महत्व
15. परमात्मा का साक्षात्कार
16. आध्यात्म विज्ञान
17. आत्म ऊर्जा
18. The Meaning of Christ
19. The Cry of the Soul
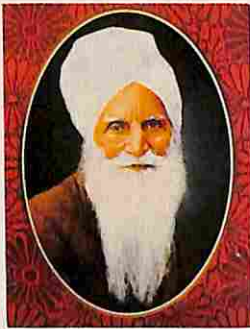
परम् संत बाबा सावनसिंहजी महाराज
(1858-1948)

सुरत शब्द योग जिसकी केवल कुछ लोगों तक पहुंच थी उसे समस्त मानव जाति तक पहुंचाने वाले महापुरुष। उन्होंने "एक महान आध्यात्मिक जाग्रति" की भविष्यवाणी की थी कि निकट भविष्य में रूहानियत बड़ी तेजी से पश्चिम में फैलेगी।
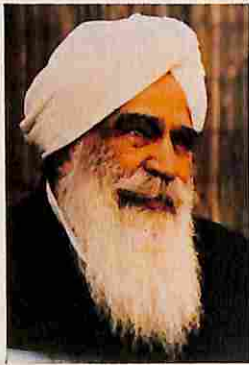
परम् संत कृपालसिंहजी महाराज
(1894-1974)

संतों की तालीम (शिक्षा) एक पूर्ण (मुकम्मल) साइंस है। सब धर्मों का एक सांझा मंच (Common Platform) बनाकर, समस्त धर्माधिकारियों और अनुयाईयों को एक जगह बिठाने का महान कार्य आपने किया। इसके चार ऐतिहासिक सम्मेलनों की आपने अध्यक्षता की। तीन विश्व-यात्राओं द्वारा एवं रूहानियत के हर पहलू पर पुस्तकें लिखकर, दुनिया के कोने-कोने में जाग्रति का संदेश फैलाया। 1974 में विश्व मानव एकता सम्मेलन में आपने खुले आम घोषणा की, "मैं सतयुग की नव प्रभात किरणें आसमानों से उतरते देख रहा हूं।"

संत राजिन्दरसिंहजी महाराज
(1946-)

सावन-कृपाल रूहानी मिशन के वर्तमान गुरु जो सन्त दर्शनसिंहजी महाराज की इच्छानुसार उनके बाद गुरु पद का कार्यभार संभाले हुए हैं, एक विश्व-विख्यात वैज्ञानिक और संचार-व्यवस्था प्रणाली के विशेषज्ञ है। संत कृपालसिंहजी महाराज ने अध्यात्म और विज्ञान के बीच संवाद का जो सिलसिला शुरू किया और सन्त दर्शनसिंहजी महाराज ने अपने 15 वर्षीय गुरुपद कार्यकाल में उसे आगे बढ़ाया, संत राजिन्दरसिंहजी महाराज उसी काम को बडी द्रुत गति से आगे बढ़ा रहे हैं।